قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۳ شمارہ: ۱۰
شوال المکرّم: ۱۴۴۱ھ - جون: ۲۰۲۰ء
قیمت فی شمارہ: ۴۰ روپے ، زرِ سالانہ: ۵۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ
انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا
وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: +92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت	۹	

مقالات و مضامین

احکامِ الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ!	۱۴	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
مرزائی ریشہ دوانیاں اور سرکاری چشم پوشی!	۲۱	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت علّامہ بنوریؒ... بلند پایہ محدّث... ادیب... مہتمم (قسط:۴)	۲۹	مفتی عبدالرؤف غزنوی
سماعِ موتٰی! (ایک سوال کا جواب)	۳۹	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
زندگی کے ہر شعبہ میں سچ بولنے کی ضرورت	۴۸	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات (قسط:۳)	۵۲	مولانا محمد طفیل کوہاٹی

یادِ رفتگان

حضرت مولانا شیخ احمد خان رحمۃ اللہ علیہ (بحرین) کا سانحۂ وفات	۵۷	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

لاک ڈاؤن کے دوران دکانوں کے کرایہ		
ملازمین کی تنخواہوں اور گاڑی وغیرہ کی فیس کا حکم!	۵۸	ادارہ

نقد و نظر

	۶۱	ادارہ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھی نور اللہ مراقدہم کے شاگرد رشید، اسلامی اکیڈمی مانچسٹر کے ڈائریکٹر، سٹی جامع مسجد برطانیہ کے بانی، جامعہ ملیہ لاہور کے مہتمم و بانی، رئیس المحققین، قدوۃ المناظرین، عقیدہ ختم نبوت کے محافظ و ترجمان، عظمتِ صحابہؓ و اہل بیتؓ کے پاسبان، عالمِ اسلام کے عظیم اسکالر، مناظرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ۹۵ سال کی عمر گزار کر برطانیہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

آپ علم و عمل، ہمہ جہت وسعتِ مطالعہ اور فکر و نظر کی گہرائی، ذہانت و فطانت، قوتِ حافظہ، برجستہ و برمحل متدلات میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دینی فتنوں کی سرکوبی کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا، جس سے اُمتِ مسلمہ کے مختلف افراد، حلقے اور طبقے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے۔ اس بنا پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ثانی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دورہ حدیث سے فراغت پانے والے طلبہ کو مقارنہ بین المذاہب پڑھانے کے لیے شعبان و رمضان میں جامعہ میں آپ کو مدعو کیا کرتے تھے اور آپ اپنے وسیع تر مطالعہ اور معلومات کی روشنی میں طلبہ کو اپنے علوم و تجربہ سے مستفید فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ نے ایک عرصہ تک

تنظیم اہلِ سنت کے ترجمان پہلے سہ روزہ، پھر ہفت روزہ رسالہ ''دعوت'' میں بطور مدیر خدمات انجام دیں، جس سے اس رسالہ کو خوب مقبولیت اور ترقی ملی۔ اس رسالہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ نے لکھا:

''قدر الشهادة قدر الشهود'' عربی مشہور ضرب المثل ہے، کسی تصنیف وتالیف کی عظمت اورخوبی اس کے مؤلف کی عظمت وشخصیت سے جانی جاسکتی ہے۔ ''دعوت'' کی تالیف اور سنجیدہ علمی مضامین کی عظمت ومقبولیت کے لیے یہ کافی ہے کہ فاضل محترم علامہ خالد محمود صاحب کا اسم گرامی لے لیا جائے، جو اس کی سرپرستی اور نگرانی کا مبارک کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس پرچہ کے اصلاحی اور محققانہ مضامین خود ہی اس کی خوبی کی ضمانت ہیں۔ ''دعوت'' اسم بامسمیٰ ہے، اس کے علمی اور دینی مضامین حقیقی معنی میں اسلام اور دین کی دعوت میں اس دورِ پرفتن میں اسلام کی صحیح اور معتدل آواز الحمد للہ! اس پرچہ کے ذریعہ سے بلند ہورہی ہے۔'' (عبقات، جلداول، ص:۲۱، ط: دارالمعارف، اردو بازار، لاہور)

اور اسی ہفت روزہ ''دعوت'' کے تحت آپ کی ادارت اور نگرانی میں رسولِ کریم (ﷺ) نمبر ۱۹۶۲ء، صدیق اکبرؓ نمبر۱۹۶۲ء، فاروق اعظمؓ نمبر۱۹۶۲ء، عثمان غنیؓ نمبر۱۹۶۳ء، علی المرتضیٰؓ نمبر، خاتم النبیین (ﷺ) نمبر وغیرہ نکالے گئے، جنہوں نے اپنے وقت میں خوب داد سمیٹی۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب حفظہ اللہ کے بقول: ''ایک زمانہ تھا کہ ملک کی کسی جماعت و مدرسہ کے جلسہ میں علامہ خالد محمودؒ کی شرکت ضروری تصور ہوتی تھی۔ آپ تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں گرفتار بھی ہوئے۔ ختمِ نبوت کانفرنس چنیوٹ و چناب نگر میں آپ کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔....... گزشتہ سال ختم نبوت مدرسہ مسلم کالونی چناب نگر کے منتہی طلبہ سے خطاب کے لیے زحمت فرمائی۔ ختم نبوت کانفرنس لندن و برمنگھم میں آپ ہر سال شریک ہوتے، بڑے اہتمام سے آپ کا بیان ہوتا۔ یورپ، افریقہ، امریکہ تک آپ نے ختم نبوت کے ترانے بلند کیے۔ وفاقی شرعی عدالت لاہور میں ردِ قادیانیت پر آپ کا بیان تحریری جمع کرایا گیا۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اور جمعیۃ علماء اسلام برطانیہ کے کاموں میں آپ نے قدرے حصہ ڈالا۔ آپ کا اصل میدان تنظیمِ اہل سنت ہی تھا۔ حضرت علامہ نے مانچسٹر میں اسلامک اکیڈمی، پھر سٹی جامع مسجد قائم کی جو آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت ہیں۔

آپ بلا کے حاضر دماغ تھے، حاضر جوابی آپ پر ختم تھی۔ علمی تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی دندان شکن جوابات کے بلاشبہ بادشاہ تھے۔ اخیر عمر تک کھڑے ہوکر بیان کرتے۔ نکتہ رسی آپ پر ختم تھی۔ بات سے بات نکالنے اور بامقصد نتیجہ خیز بنانے میں مہارتِ تامہ کے حامل تھے۔ اس سال جامعہ

اشرفیہ میں ملاقات کے لیے حاضری ہوئی۔ جناب رضوان نفیس، دوسرے رفقاء ہمراہ تھے، دو باتیں بطور خاص یاد ہیں، فرمایا کہ: قادیانیت کے احتساب کا شکنجہ کسنے کے لیے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تشکیل وارتقاء مولانا محمد علی جالندھریؒ کا مجددانہ کارنامہ ہے۔ میرے نزدیک اس عنوان پر آپ کا وجود مجددانہ شان کا حامل تھا۔ دوسرا فرمایا: ہمارے بہت سارے محاذ ہیں، ہم نے ان سب کو وقت دیا۔ آپ (فقیر) پچاس سال سے ایک محاذ پر آنکھیں بند کیے کاربند ہیں، اس کے صدقہ میں آپ کو جہاں رحمتِ عالم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی، وہاں سیدنا مسیح بن مریم علیہ السلام کا دستِ شفقت بھی حاصل ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے آواز بھرّا گئی۔ پھر فرمایا کہ: میں عمر کے اس پیٹے میں ہوں کہ یہ بات بلاوجہ نہیں کہہ رہا، اس پر مجھے انشراح کا مقام حاصل ہے۔''

حضرت علامہ خالد محمودؒ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی سمیت کئی زبانوں میں یکساں عالمانہ دسترس رکھتے تھے، آپ انگلینڈ میں مقیم تھے، اس وقت علمائے دیوبند کی بزرگ ترین ہستیوں میں سے تھے، آپ نے مختلف دینی محاذوں پر کام کیا اور ہر محاذ کی صفِ اول کی قیادت میں رہے۔ کچھ عرصہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت کے جج رہے۔

آپ ۱۹۲۵ء میں قصور شہر میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام پیر محمد غنی تھا۔ آپ نے تعلیم کا آغاز قصور سے کیا، اس کے بعد امرتسر جاکر مزید تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات سے دورہ حدیث شریف کی سعادت حاصل کی اور دوسری بار جب جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث کا آغاز ہورہا تھا تو حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ کے کہنے پر کہ: ''آپ دورہ حدیث دوبارہ جامعہ اشرفیہ میں پڑھیں، اس سے ادارے کو اور آپ کو فائدہ ہوگا'' حضرت کے حکم کی تعمیل میں دوبارہ دورہ حدیث کیا، یوں آپ دونوں اداروں کے فاضل ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا محمد حسنؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)، شیخ الکل مولانا رسول خان ہزارویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے علومِ اسلامیہ کے چودہ سو سالہ ذخائر میں غوطہ زن ہوکر اہلِ علم کے استفادہ کے لیے گراں قدر علمی سرمایہ تیار کیا، آپ کی تصانیف میں سے چند مشہور یہ ہیں:

۱:- قرآن کریم کے موضوع پر آثار التنزیل۔۲ جلد۔۲:- حدیث کے موضوع پر آثار الحدیث، ۲ جلد۔۳:- فقہ کے موضوع پر آثار التشریع، ۲ جلد۔۴:- تصوف کے موضوع پر آثار الاحسان، ۲ جلد۔

۵:-سوال وجواب پر مشتمل عبقات، ۲ جلد۔ ۶:- ایک تاریخی وتحقیقی دستاویز مطالعۂ بریلویت، ۹ جلد۔ ۷:- عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ، ا جلد۔ یہ کتاب امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ کی زندگی میں ان کے حکم کی تعمیل میں لکھی تھی، جس پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے تاریخی جملہ فرمایا تھا: ''اگر عصر کے وقت کوئی باطل فتنہ وجود میں آئے اور علامہ خالد محمود کو اس کے رد میں لکھنے کا کہا جائے تو مغرب تک اس فتنہ کے خلاف مدلل تصنیف فرما چکے ہوں گے''۔ ۸:-عقیدۃ خیر الامم فی مقامات عیسی ابن مریمؑ، ا جلد۔ ۹:- تجلیاتِ آفتاب، ا جلد۔ ۱۰:- حجیتِ حدیث (انگلش) ا جلد۔ ۱۱:-اسلام ایک نظر میں (انگلش) ا جلد۔ ۱۲:- معیارِ صحابیت، ا جلد۔ ۱۳:- عقیدۃ السلام فی الفرق بین الکفر والاسلام۔ ۱۴:-مرزا قادیانی، شخصیت وکردار اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینہ میں۔

آپ کو علامہ کہنے کی وجہ کے بارے میں مولانا عبد الجبار سلفی لکھتے ہیں کہ: ''میں نے علامہ خالد محمودؒ سے خود پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ: ''ابو العطاء مولوی اللہ دتہ قادیانی سیالکوٹ وارد ہوا اور اہلِ حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے سینگ لڑانے کے چیلنج دینے لگا، تب مولانا موقع پہ موجود نہ تھے۔ میں نے کہا: پہلے مجھ سے مناظرہ کرو۔ تالی بج گئی کہ واہ واہ نوجوان نے چیلنج منظور کیا ہے، دیکھیے! نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے؟ گفتگو شروع ہوئی (اس دوران علامہ صاحب نے اپنا مخصوص جملہ دُہرایا کہ: ''ہمارا کیا ہے؟ گھڑی دیکھی اور بات کہہ دی!'') چنانچہ چند منٹوں میں ہی اللہ دتہ قادیانی عرق آلُود ہو چکا تھا۔ عوام تو طالبِ حق ہونے سے زیادہ تماش بین ہوتے ہیں۔ لوگوں نے نعرہ بازی شروع کردی کہ ایک لڑکے نے مرزائی ربّی کے اوسان خطا کردئیے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کے اللہ دتہ قادیانی شرمسار ہوکر پنجابی لہجے میں یوں طعنہ زن ہوا کہ: ''جا اوئے جا، تیری تے اجے داڑھی ای نئیں آئی۔'' (جا او جا! تمہاری تو ابھی ڈاڑھی ہی نہیں آئی) علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ میں فی البدیہہ جواب ڈالا: اللہ دتہ قادیانی باریش تھا اور خاصی لمبی ڈاڑھی تھی، میں نے بھی برجستہ پنجابی لہجے میں کہا: ''میری داڑھی تے آئی نئیں، پَر تیری میں ریہن نئیں دینی۔'' (میری ڈاڑھی تو ابھی نکلی ہی نہیں، مگر تیری بھی میں نے نہیں چھوڑنی) اس مکالمہ آرائی میں عوام کا جوش قابلِ دید تھا۔ اس دوران مجمع سے آواز آئی: ''واہ بھئی علامہ واہ، واہ بھئی علامہ واہ'' یہ الفاظ اللہ جانے کس قلندر کے منہ سے نکلے تھے کہ پھر ''خالد محمود'' اور ''علامہ'' ایسے لازم وملزوم ہوئے کہ روح وجسم کا رشتہ بھی کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتا ہے، مگر ''خالد محمود'' اور ''علامہ'' آج دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اکٹھے ہی ہیں۔''

انہوں نے یہ بھی لکھا کہ: ''علامہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں سینماؤں کا رواج تھا

تو اُس دور میں لاہور کے اندر ایک کنونشن منعقد ہوا، جس کا عنوان تھا ''سینما کے کچھ روشن پہلو'' فرمایا کہ: مجھے بھی اس میں دعوتِ خطاب دی گئی جو میں نے قبول کرلی۔ معاصر احباب نے کہا کہ علامہ صاحب! آخر آپ وہاں کیا خطاب کریں گے؟ تو میں نے وہی جواب دیا: ''ہمارا کیا ہے؟ گھڑی دیکھ لی اور بات کہہ دی۔'' چنانچہ میں نے اپنی گفتگو کا آغاز ان الفاظ سے کیا کہ: ''بھائیو! جو چیز اندھیرا کر کے دیکھی جاتی ہو، اُس کے روشن پہلو آخر کون سے ہوسکتے ہیں؟'' سینمائی نظم کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ سینما میں جب شو کا آغاز ہوتا ہے تو لائٹیں بند کردی جاتی ہیں، تو میرا اشارہ اس طرف تھا۔ بس یہ کہنے کی دیر تھی، پورا ہال تالیاں پیٹتے ہوئے کھڑا ہوگیا اور میں فوراً اپنی گفتگو ختم کر کے اسٹیج سے اُتر آیا۔''

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ محترم جناب سجاد ضیغم صاحب آپ کی تصنیف ''مطالعۂ بریلویت'' کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ: ''اس موقع پر جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ کی آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' کے حوالے سے ایک توضیح ضروری ہے، کیونکہ کچھ لوگوں نے اس کو تحقیقی اصولوں پر پرکھے اور بالاستیعاب پڑھے بغیر اس پر بے بنیاد تبصرے شروع کر رکھے ہیں، یہ فرقہ واریت پر مبنی نہیں، یہ Basically ایک بہت وسیع عالمانہ ومحققانہ مطالعہ ہے، اس خاکسار نے علامہ صاحبؒ سے سنا تھا کہ جس وقت انہیں شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ میں جج تعینات کیا جارہا تھا تو اس وقت Comitte Appointment نے یہی سوال کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب فرقہ وارانہ ہے؟ آپ نے انہیں جواب دیا تھا کہ میں بنیادی طور پر ریسرچ کا آدمی ہوں تو یہ میرا ریسرچ ورک ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے اس میں فلاں فلاں حوالہ غلط ہے، تو کوئی محقق اس کا رد کردے یا اگر کسی کو اس سے اختلاف ہے تو وہ اس کا استناد واستدلال کے ساتھ جواب لکھے، جو کہ آج تک نہیں ہوسکا۔ صرف یہ کہنا کہ یہ فرقہ وارانہ ہے تو یہ تو کوئی بات نہیں۔ اگر معترضین کے اس موقف کو اصول بنانا ہے تو اس الزام سے تو شاید ان کی اپنی کوئی کتاب نہ بچ سکے۔ میرا انہیں چیلنج ہے، وہ اسی کلیے کے ساتھ سامنے آجائیں، دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرلیتے ہیں۔ جہاں تک شریعت اپیلٹ بینچ کے فیصلوں کا تعلق ہے وہ میں نے قرآن وسنت کے معیار پر کرنے ہیں۔ اس بیان پر انٹرویو وتقرری کمیٹی کی تسلی ہوئی اور علامہ صاحب کو جج تعینات کردیا گیا۔''

آپؒ کا بیعت کا تعلق یکے بعد دیگرے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ اور مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ سے رہا۔ اور آخر میں حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کے خلیفہ مولانا وصی اللہ صاحب سے تھا، ان سے اجازتِ خلافت بھی تھی۔

آپ کی دینی وعلمی خدمات سے مسلمانانِ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں نے فائدہ حاصل کیا، آپ کا زیادہ وقت اہلِ یورپ کو دین کی دعوت دینے میں گزرا۔ آپ کے اہل وعیال برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں قیام پذیر ہیں۔ علامہ صاحبؒ قلیل عرصے کے لیے ہر سال پاکستان تشریف لاتے تھے اور قیامِ پاکستان کے دوران مختلف اداروں اور جماعتی احباب کے ہاں وقت گزارتے تھے۔

آپ قدیم وجدید فکر وفلسفہ کے بھی عظیم شناور تھے، جو کہ آپ کی تصانیف سے نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے، آپ قیام پاکستان کے دوران مختلف اوقات میں مرے کالج سیالکوٹ، ڈگری کالج خانیوال اور ایم او کالج لاہور میں بطور پروفیسر خدمات سرانجام دیتے رہے اور بطور خاص عصری تعلیمی اداروں میں علمِ دین کے خلاف پروپیگنڈوں اور باطل کی طرف سے پھیلائے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے رہے۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وصفات کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل ہے، آپ کی شخصیت علومِ نبوت کی برکت سے مالا مال اور دفاعِ اسلام کی مجسم تصویر تھی، سفر وحضر میں آپ کو ایک طویل عرصہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی رفاقت حاصل رہی ہے۔ آپ کچھ عرصہ بیمار رہے، بیماری سے پہلے ضعف کی بنا پر آپ گر گئے تھے، جس سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، برطانیہ کے ایک ہسپتال میں اس کے علاج کے سلسلے میں داخل تھے کہ وہاں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے اپنے پسماندگان میں تین بیٹے، دو بیٹیاں، ہزاروں شاگرد اور لاکھوں عقیدت مند سوگوار چھوڑے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی امداد اللہ یوسف زئی، تمام اساتذہ وانتظامیہ حضرت علامہ خالد محمودؒ کے انتقال سے اپنے آپ کو تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں اور حضرت کے اہل وعیال، پسماندگان اور جملہ متوسلین سے تعزیت کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت علامہ صاحبؒ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، آپ کے جملہ متعلقین، احباب، مریدین اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کو جانے والوں کا بدل عطا فرمائے، آمین بجاہ سید الأبرار والمرسلین ، اللّٰہم لا تحرمنا أجرہ ولا تفتنا بعدہ.

''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

....

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

عالمِ اسلام کی عظیم علمی شخصیت، محدث، فقیہِ وقت، متکلمِ زمانہ، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین، کئی نسلوں کے معلم ومربی، ہزاروں علمائے کرام کے شفیق استاذ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اس دنیائے رنگ وبو کی تقریباً اسی بہاریں دیکھنے کے بعد ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ءمئی ۲۰۲۰ء بروز منگل صبح چاشت کے وقت اپنا سفرِ زندگی مکمل کر کے عالمِ عقبیٰ کے سفر پر روانہ ہوگئے ،إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکابر واسلاف کے عقائد ونظریات کے صحیح اور حقیقی جانشین اور متصلب بزرگ تھے۔ اپنی پوری زندگی درس وافتاء، تصنیف وتالیف اور وعظ ونصیحت میں گزاردی۔ علمِ دین کی اشاعت اور اس کی ترویج آپ کی زندگی کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ گزشتہ دو سالوں میں ہندو پاک کے کئی اکابر علمائے کرام ومشائخ عظام کی رحلتیں ہوئیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا علومِ وحی کے حاملین سے خالی کی جارہی ہے اور قیامت کی قربت کا سامان کیا جارہا ہے، جیسا کہ صادق المصدوق نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ:

’’إن اللّٰہ لایقبض العلم انتزاعًا ینتزعہٗ من قلوب العباد ولکن یقبضہٗ بقبض العلماء، حتٰی إذا لم یبق عالمًا اتخذ الناس رؤسًا جھّالًا فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا۔‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۳)

ترجمہ:’’بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے، بلکہ قبضِ علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اُٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے، وہ بغیر جانے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے:

’’عن مرداس الأسلمیؓ قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یذھب الصالحون الأول فالأول ویبقٰی حفالۃ کحفالۃ الشعیر أو التمر لایبالھیم اللّٰہ بالۃً۔‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، ج:۲،ص:۹۵۲)

ترجمہ: ’’حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے اُٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی، جیسا کہ ردّی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں، حق تعالیٰ ان کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔‘‘

حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ ان اخیارِ امت اور طبقۂ صالحین میں سے تھے جن کی حیات اہلِ زمین خصوصاً علمی حلقوں کے لیے آبِ حیات اور بہت سے فتنوں کے سامنے سدِ سکندری سے کم نہ تھی۔ آپ کی وفات علم وعرفان کی موت ہے، آپؒ کا سانحۂ ارتحال ’’**موت العالِم موت العالَم**‘‘ کے مصداق انسانیت کا نقصان ہے، آپؒ کی وفات سے جہاں اہلِ علم کے حلقے ایک مفسر، محدث، فقیہ، محقق، مصنف اور قادر الکلام خطیب سے محروم ہو گئے، وہاں اہلِ قلوب عظیم روحانی پیشوا سے بھی محروم ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی پیدائش کالیڑہ، شمالی گجرات کے شہر پالن پور، ہندوستان میں جناب یوسف صاحبؒ کے ہاں ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء کے آخر میں ہوئی، آپ اپنے والدین کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ والدین نے آپ کا نام ’’احمد‘‘ رکھا، جب آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں تعلیم پا رہے تھے تو آپ نے خود اپنا نام ’’سعید احمد‘‘ رکھا۔ آپ کی تعلیم کا آغاز والد صاحب سے ہوا، ابتدائی فارسی اپنے ماموں سے پڑھی، پھر پالن پور شہر میں حضرت مولانا نذیر میاںؒ کے مدرسہ میں شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۷۷ھ میں مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور تین سال تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۸۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دورہ حدیث کی تکمیل کر کے فاتحہ فراغ پڑھا۔ آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین وفطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے، اس لیے اساتذہ کرام کی توجہ اور تعلیم وتربیت نے خاص اثر کیا اور آپ نے دار العلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درس گاہ کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔ دورہ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے دار العلوم دیوبند میں حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہؒ کی زیرِ نگرانی افتاء کا کورس مکمل کیا اور افتاء کے ساتھ ساتھ جہاں آپ اپنے بھائی کو حفظ کراتے تھے، وہاں خود بھی آپ نے ان کے ساتھ حفظ مکمل کیا۔

تدریس کے لیے آپ کا پہلا تقرر حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کی معرفت دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں ہوا، ۹ سال تک وہاں آپ نے تدریس فرمائی اور تصنیف کا آغاز بھی آپ نے اسی زمانہ میں شروع کر دیا تھا۔ اسی عرصہ میں موصوف نے داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمتِ مصاہرت، ’’**العون الکبیر**‘‘ اور مولانا محمد طاہر پٹنی قدس سرہٗ کی ’’**المغنی**‘‘ کی عربی شرح وغیرہ تصانیف ارقام فرمائیں۔ اپنے استاذ حضرت مولانا محمد ہاشمؒ (جو دار العلوم دیوبند میں پڑھاتے تھے) کی تحریک پر آپ نے دار العلوم دیوبند میں تدریس کے لیے درخواست بھیجی اور اس کے ساتھ ایک خط حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام بھیجا، جس کے جواب میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے آپ کو لکھا:

''محترمی ومکرمی زید مجدکم!

سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کام کرنے کی اطلاع سے غیر معمولی خوشی ہوئی، جو صورت آپ نے اختیار فرمائی ہے، وہ مناسب ہے، خود میرے ذہن میں ان کتب کی خدمت کی مختلف صورتوں میں سے ایک یہ صورت بھی تھی۔ الفرقان میں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، ان شاء اللہ رسائل منگوا کر مستفید ہوں گا، اور جو رائے قائم ہوگی وہ عرض کروں گا۔

درخواست منسلکہ مجلسِ تعلیمی میں بھیج رہا ہوں، اس پر وہاں سے کوئی کارروائی ضرور کی جائے گی، اس کی اطلاع دی جائے گی۔ دعا کی درخواست۔ قاسم العلوم کے میرے پاس دو نسخے تھے، ایک نسخہ اسی ضرورت سے وہاں بھیجا گیا، مگر واپس نہیں ہوا، اب ایک رہ گیا ہے، جو صاحب نقل کرنا چاہیں، وہ ایک وقت مقرر کر کے میرے کتب خانہ میں ہی بیٹھ کر نقل فرمالیا کریں، اور یہاں بحمد اللہ خیریت ہے۔

والسلام: محمد طیب از دیوبند ۷/ ۷/ ۱۳۹۳ھ۔''

جب خط شوریٰ میں پیش ہوا تو حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ جو شوریٰ کے ممبر تھے، انہوں نے آپ کا نام پیش کیا اور اسی مجلس میں آپ کا تقرر ہوگیا، ۱۳۹۳ھ سے تادم واپسیں تقریباً ۴۸ سال آپ نے دارالعلوم کی خدمت کی۔ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے مفتی، شیخ الحدیث، صدر المدرسین کے منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ کے فیضِ قلم سے درج ذیل کتابیں منصۂ شہود پر آئیں:

۱:-تفسیر ہدایت القرآن، ۲:-''الفوز الکبیر'' کی تعریب جدید، ۳:-''**العون الکبیر**''، یہ ''**الفوز الکبیر**'' کی عربی شرح ہے۔ ۴:-فیض المنعم: (مقدمۂ مسلم شریف کی اردو شرح)، ۵:-''**تحفة الدُّرر**'': (''**نخبة الفكر**'' کی اردو شرح)، ۶:-مبادی الفلسفہ، ۷:-معین الفلسفہ (مبادی الفلسفہ کی اردو شرح)، ۸:-''**مفتاح التهذيب**'': ''**تهذيب المنطق**'' کی شرح ہے، ۹:-آسان منطق، ۱۰:-آسان نحو (دو حصے)، ۱۱:-آسان صرف (تین حصے)، ۱۲:-محفوظات (تین حصے): یہ آیات و احادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ ۱۳:-آپ فتویٰ کیسے دیں؟ (''**شرح عقود رسم المفتي**'' کا نہایت عمدہ ترجمہ مع ضروری فوائد)، ۱۴:-کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ (یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''**توثيق الكلام**'' کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے)، ۱۵:-حیات امام ابوداودؒ (امام ابوداود سجستانیؒ کی مکمل سوانح)، ۱۶:-مشاہیر محدثین و

فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث، ۱۷:- حیاتِ امام طحاویؒ، ۱۸:- اسلام تغیر پذیر دنیا میں (چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ)، ۱۹:- نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟، ۲۰:- داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، ۲۱:- حرمتِ مصاہرت، ۲۲:- تسہیل ادلۂ کاملہ: حضرت شیخ الہندؒ کی مایۂ ناز کتاب ادلۂ کاملہ کی نہایت عمدہ شرح ہے، اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے، یہ شیخ الہندؒ اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔ ۲۳:- حواشی وعناوین ایضاح الادلۃ: ایضاح الادلۃ حضرت شیخ الہندؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور ذیلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔ ۲۴:- حواشی امداد الفتاوی، ۲۵:- افاداتِ نانوتویؒ، ۲۶:- افاداتِ رشیدیہ، ۲۷:- ''رحمة الله الواسعة'': یہ ''حجة الله البالغة'' کی مبسوط اردو شرح ہے، ''حجة اللّٰه البالغة'' کی تشریح ایک بھاری قرضہ تھا، جو ڈھائی سو سال سے اُمت کے ذمہ باقی چلا آرہا تھا۔ ۲۸:- تهذيب المغني: ''المغنی'' علامہ محمد طاہر پٹنی قدس سرہٗ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے۔ ۲۹:- ''زبدة الطحاوي'': یہ امام طحاویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''شرح معاني الآثار'' کی عربی تلخیص ہے۔ ۳۰:- کامل برہانِ الٰہی، ۳۱:- ''حجة الله البالغة'' عربی: (دو حصے)، ۳۲:- ہادیہ شرح کافیہ، ۳۳:- ''الوافية'' شرح کافیہ: (کافیہ کی عربی شرح)، ۳۴:- ''تحفة الألمعي'' شرح سنن الترمذی، ۳۵:- ''تحفة القاری'' شرح صحیح البخاری، ۳۶:- علمی خطبات (دو حصوں پر مشتمل ہے)، ۳۷:- مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل، ۳۸:- گنجینۂ صرف شرح پنج گنج، ۳۹:- ارشاد الفہوم شرح سلم العلوم، ۴۰:- دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت، ۴۱:- فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے، ۴۲:- آسان فارسی قواعد، ۴۳:- ''مبادی الأصول'' (عربی اصولِ فقہ میں ہے)، ۴۴:- معین الاصول، ۴۵:- شرح علل الترمذی (ترمذی شریف کی ''کتاب العلل'' کی عربی شرح)، ۴۶:- مسلم پرسنل لاء اور نفقۂ مطلقہ۔

مذکورہ بالا تعلیمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کے علاوہ تبلیغ اور وعظ وارشاد کی غرض سے کئی بیرون ممالک مثلاً: برطانیہ، کینیڈا، افریقہ اور سعودی عرب کا سفر آپ نے کیا۔ آپ کی پہلی بیعت قطب الاقطاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے تھی اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہری نے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔

حضرت مفتی صاحب کے والد محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ جوڈابھیل میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے اور ان کی تربیت سے حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اس مقام تک پہنچے، حضرت مولانا مفتی محمد امین (استاذِ حدیث وفقہ مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند) نے ان کے والد صاحب کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

’’جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ، اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے، اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خادمِ خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لیے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ، اور محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہٗ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ: یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے، اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔ یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لیے کی تھی کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لیے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا، اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا، مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علمِ دین عطا فرمائیں۔ چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال، بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے۔‘‘

حضرت مفتی صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم، نائب رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری زیدمجدہم اور جملہ اساتذہ کرام کی طرف سے مشائخ وارباب دارالعلوم دیوبند اور حضرت مفتی صاحبؒ کے جملہ پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی کامل مغفرت فرمائے، آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور آپؒ کے جملہ متوسلین وتلامذہ کو حضرت کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

’’بینات‘‘ کے باتوفیق قارئین سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

احکامِ الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حقیقت سے اعراض اور اسلام کا نام لے کر احکامِ الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جو کبھی شکست کی شکل میں آتا ہے، کبھی سیلاب اور زلزلہ کی شکل میں اور کبھی اور کسی مصیبت ونکبت کے روپ میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ.'' (النحل:۱۱۲)

''اور اللہ تعالیٰ ایک بستی کی حالتِ عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ امن واطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، پس انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔''

ذلت خیز شکست اور لاکھوں مسلمانوں کی جان وآبرو کی بھینٹ لے کر آدھا ملک الگ ہوگیا، جو باقی رہ گیا وہ بھی بہت کمزور اور مضمحل ہے۔

خلافتِ ترکیہ کے اضمحلال کے زمانہ میں یورپ والوں نے ترکی کو یورپ کے مردِ بیمار کا لقب دیا تھا، یہ صحیح تھا یا غلط اس سے بحث نہیں، مگر پاکستان کی سیاسی ومعاشی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اسے ایشیا کا مردِ بیمار کہیں تو بے جا نہیں۔ دوستوں کے دلوں سے اس کا وقار اور دشمنوں کے دلوں سے رعب رخصت ہو چکا ہے۔ دوست نما دشمنوں کی حریصانہ نظریں اسی پر جمی ہوئی ہیں۔ افراطِ زر، گرانی، سیم وتھور وغیرہ کے پریشان کن مسائل سامنے ہیں اور انہیں جس قدر سلجھایا جاتا ہے اسی قدر اُلجھے جاتے ہیں۔ حرام کمائی سے پرورش پانے والوں کا طبقہ اپنی تجوریاں بھر رہا ہے، مگر ملک کی اکثریت فلاکت

(ناداری، مفلسی) اور معاشی بدحالی کا شکار ہے۔ مصائب کے اس حال سے رہائی کی کتنی ہی تدبیریں کی جائیں رہائی ناممکن ہے، کیونکہ ان کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جو ہماری نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ملک کی طرف متوجہ ہوا ہے، بابِ توبہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ بے پایاں کو اب بھی اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے:

''قُلْ یٰعِبَادِيَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا.'' (الزمر:۵۳)

''آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کی ہے (مبتلائے معصیت ہوئے) تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرماتے ہیں۔''

اربابِ اقتدار اگر حقائق کا ادراک کرلیں اور کتاب وسنت اور اُسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں صحیح راہِ منزل متعین کرکے ملکی وقومی قافلے کو لے چلیں تو فلاح وکامرانی پاکستان کے قدم چومے گی، ہر سنگِ راہ چور چور ہوکر دور ہوجائے گا اور ہمارا ملک دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل کرلے گا۔ بالکل بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کسی تدبیر سے نہیں ٹالا جاسکتا، انابت الی اللہ اور اطاعتِ احکامِ الٰہیہ اُسے ٹالنے کی واحد تدبیر ہے۔ کیا اربابِ اقتدار حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کریں گے؟ کیا ان میں کوئی اس آواز کا سننے والا اور اس سچی بات پر کان دھرنے والا ہے؟ (أليس منكم رجل رشيد؟)

یہود کی اسلام دشمنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا.'' (المائدۃ:۸۲)

''اور تم یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پاؤ گے۔''

قرآن مجید کی اس خبر کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور ان سے عناد وحسد کی جو آگ بھڑک رہی وہ کسی طرح سرد نہیں ہوتی، اس کا تازہ نمونہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو فلم کی صورت میں پیش کرنے کی ناپاک کوشش جاری ہے، اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ خاکم بدہن عظمتِ رسالت دلوں سے کم کردی جائے، اس سے پیشتر ''فجرِ اسلام'' کے نام سے ایک فلم بنا کر یہ لوگ صحابہ کرامؓ کی توہین کرچکے ہیں، اس فلم کا تصور بھی درحقیقت یہودی دماغ ہی کی اختراع تھا اور یہ بھی اسی سازشی اور مجرم ومفسد ذہن کی ایجاد ہے۔

افضل الخلائق سید العالمین ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ زندگی کو لہو ولعب کا ذریعہ بنانا، ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کا پارٹ ادا کرنا اور اِن مقدس ہستیوں

کی سوانحی زندگی کو پردۂ سیمیں پر پیش کرکے اُسے ذریعۂ تفریح بنانا یقیناً نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت گستاخی اور صحابہ کرامؓ کی شان میں بے ادبی ہے۔

یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے لیے کسی استدلال کی حاجت نہیں، فریب یہ دیا جارہا ہے کہ اس سے سیرۃِ طیبہ کا عام تعارف ہوتا ہے جو تبلیغ ودعوتِ اسلام کے مرادف ہے۔ حیرت ہے کہ یہود کے اس جال میں بعض عربی ممالک بھی پھنس گئے اور اسلام کے یہ نادان دوست اس فلم کی تیاری کی ہمت افزائی کررہے ہیں، اسے اشاعتِ دین اور تعلیم وتعارفِ سیرۃِ سید المرسلین (ﷺ) کا ذریعہ کہنا خالص فریب ہے، بے شک دونوں باتیں مطلوب ومحمود ہیں، مگر ان کا طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو ان مقدس اور عظیم الشان مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو اور ان کے شایان شان کہا جاسکے۔ یہ ذلیل اور پست طریقہ ان پاکیزہ مقاصدِ عالیہ کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتا، یہ یقیناً بارگاہِ رسالت اور شانِ صحابہؓ میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہے، سہولتِ فہم کے لیے قومی جھنڈے کی مثال کافی ہے، کیا کوئی ملک اسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کا قومی جھنڈا تعارف کے مقصد سے کسی مزبلے اور کوڑے خانے پر نصب کردیا جائے؟ وجہ ظاہر ہے کہ یہ جگہ اس کے شایانِ شان نہیں، اس لیے جھنڈے کی توہین ہے، اسی طرح فلمی پردہ مقاصدِ مذکورہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور ان کے شایانِ شان نہیں۔

اس فلم کی خبر نے مسلمانانِ عالم کے دل مجروح کردیئے ہیں، دنیا کی جملہ مسلمان حکومتوں اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی تیاری رکوانے کی پوری کوشش کریں، ہم اس کے متعلق اپنی حکومت سے کہنے کا حق زیادہ رکھتے ہیں، بنابریں اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے امکانی ذرائع اور وسائل سے اسے رکوانے کی پوری کوشش کرے، پاکستان کے عوام مسلمین بھی یہ عزم کرلیں کہ اگر یہ فلم خدانخواستہ تیار ہوجائے تو کسی قیمت پر بھی پاکستان میں اس کی نمائش کو گوارا نہ کریں گے اور اس سینما کو دنیا میں باقی نہ چھوڑیں گے جو اس کی نمائش کی جرأت کرے۔

.... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۵ مئی ۴۵ء (جمعہ)

بہاولنگر، ریاست بہاولپور، مدرسہ جامع العلوم

محبّ مکرم رفیق محترم دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ شرفِ صدور لاکر موجبِ مسرت بھی ہوا اور باعثِ رنج واَلم بھی، یعنی یہ معلوم ہوکر انتہائی صدمہ ہے کہ جو کلی آپ کے چمن حیات میں لگی وہ کھلنے سے پہلے پژمردہ ہوگئی:

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے

إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ اس مصیبتِ عظمیٰ کا والدین کو اجرِ جزیل مرحمت فرمائے اور ان کی حسرت بھری آغوش کو جلد پھر کسی باسعادت ودل آویز صورت سے آباد کردے، ان کے قلوب میں اطمینان، ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک بخش دے اور ایک مرتبہ جہاں انہیں غم کے آنسوؤں سے رُلایا ہے، پھر مسرت کے آنسوؤں سے رُلا دے:

آمین آمین لا أرضی بواحدۃٍ حتی أضم إلیہا ألفَ آمینا

برادرِ محترم! آپ حالات سے بددل نہ ہوں، میں آپ سے علیحدہ ہوکر عزت واحتشام کی اچھی گھڑیاں گزار رہا ہوں، مگر کیا میرے حال میں کہیں علمی خوشبو ہے؟ میں نے صحیح بخاری کا درس دیا،

مگر کیا میرے دماغ نے کوئی علمی ترقی کی؟ یہ نہیں، اس نوع کے ہر سوال پر میرا جواب حسرت ہی حسرت ہے۔ آپ جس خدمت میں ہیں علمی اور بہت علمی ہے، میں دعا کرتا رہتا ہوں کہ یہ خدمت آپ کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہو، آپ کے وجود کو علماء میں اپنی امیدوں کا ایسا مرکز پاتا ہوں کہ اب میری نظر میں عزیز آفتاب سلمہٗ کی علمی نشو ونما کے لیے آپ سے استفادہ کے بغیر دوسری جگہ نہیں ہے۔ علماء ومشاہیر کی جب کبھی صحبت میسر ہوتی ہے، ایک پیاسے کی طرح دوڑتا ہوں اور جب گفتگو ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سراب ہیں، جس میں دور ہی دور سے پانی کی موجیں نظر آتی ہیں۔ غم یہ ہے کہ ایک متوسط قرن جو اس وقت آنکھوں کے سامنے موجود ہے، اس کے ختم ہوجانے کے بعد جو دوسرا قرن سامنے ہے وہ علم سے کتنا بعید ہوگا ''**واللّٰہ المستعان**'' ایک زمانہ تھا کہ ہم کنز کے درس کے اہل نہ تھے، اب ایک زمانہ ہے کہ درسِ بخاری کے لیے نظرِ انتخاب ہم جیسے نااہلوں پر پڑتی ہے: ''**فانتظر الساعة.**''

اس وقت جو لکھ رہا ہوں اسے رسمی نہ سمجھیں، بلکہ جو تأثر قلب کی گہرائیوں میں ہے، اسی کا عکس صفحۂ قرطاس پر ہے۔ ممکن ہے کہ رمضان سے قبل یا بعد ڈابھیل میں آپ سے ملاقات کروں۔ جن احباب کا سالوں مرہونِ منت رہ چکا ہوں ان سے ملاقات ہوئے دو سال کا عرصہ گزر رہا ہے، اس لیے اگر حالات نے مساعدت کی تو چار دن کے لیے حاضری کا قصد ہے۔ بخدمت والد صاحب، مہتمم صاحب وحاجی میاں وحاجی ابراہیم میاں آسنا وآدم واجہہ وامثالہم سلام مسنون۔ آفتاب سلمہٗ سلام عرض کرتا ہے۔

فقط

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

بہاولنگر

پس نوشت: ہاں خوب یاد آیا، سنا ہے کہ مولانا شمس الحق صاحب تشریف لے آئے ہیں، چلیے، اب یہ دورِ جدید پہلے ادوار سے زیادہ روشن ہوجائے گا، خدا تعالیٰ علم اور علماء کو ہمیشہ زندہ رکھے، آمین!

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام شیخ نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ

گرامی منزلت شیخ صاحب **زیدت معالیکم**

تحیةً و سلامًا

مکتوب گرامی ۲۹/۱۱ کو پہنچا، جواباً عرض ہے: ''طیبیؒ'' خراسان کے عالم ہیں، ولادت کی تاریخ بظاہر کسی نے نہیں لکھی، پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ سے اگر کچھ نہ ملا تو کہیں اور کیا توقع؟!

سیوطیؒ کے ''**طبقات النحاة**'' میں شاید کچھ تفصیل ملے یا ''دررِ کامنہ'' میں۔ میں بہت مشغول ہوں، نہ ہمارے ہاں تراجم کا اتنا ذخیرہ ہے۔ ''طیبی'' کا عمدہ نسخہ میرے پاس مکمل ہے، نصف اول تو

بے عدیل ہے، عالم میں اس کی نظیر نہیں ہوگی، بقیہ بھی عمدہ خوشخط ہے، مجلسِ علمی (نے) ابھی تقریباً پانچ لاکھ روپے سے ''**المصنف لعبدالرزاقؒ** ''بیروت میں طبع کرائی ہے۔ ابھی کچھ عرصہ وہ تیار نہیں ہوسکی۔ ''**نفحة العنبر** ''دوبارہ ٹائپ سے مع الزیادات چھپ گئی ہے۔ مجلسِ علمی کراچی (پی بکس ۴۸۸۳) سے طلب فرمائیں۔

والسلام: بنوری عفی عنہ

۵ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

(نوٹ:) راقم السطور نے مولانا مرحوم سے امام طیبیؒ (م: ۷۴۳ھ) کے حالات وسوانح دریافت کیے تھے اور درخواست کی تھی کہ مجلسِ علمی کی طرف سے ان کی عدیم النظیر شرح مشکوٰۃ ''**الکاشف عن حقائق السنن المحمدیة** '' کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے۔ شیخ نذیر حسین، مدیر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

....

مکرمی (۱)

السلام علیکم

۷۸/۱/۱۸ء

میں نے مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم ومغفور کا ایک خط بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں بھیجا تھا، لیکن آپ نے اس کی رسیدگی کی کوئی اطلاع نہیں دی۔

آں مرحوم کا ایک دوسرا خط ارسال ہے، میں نے اُن سے امام طیبیؒ شارح مشکوٰۃ کے سوانح دریافت کیے تھے اور مجلسِ علمی کی طرف سے اس شرح کی اشاعت وطباعت کی تحریک تھی۔ اس کے جواب میں اُن کا جو خط آیا، وہ لف ہذا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو بینات کی کسی اشاعت میں اِسے شائع فرمادیں، آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

فقط والسلام

(شیخ) نذیر حسین

مدیر اردو انسائیکلو پیڈیا، پنجاب یونیورسٹی، اولڈ کیمپس، لاہور

حاشیہ:(۱) بظاہر جامعہ کے سابق مہتمم حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

مرزائی ریشہ دوانیاں اور سرکاری چشم پوشی !

محمد اعجاز مصطفیٰ

موجودہ حکومت کے برسرِ اقتدار آتے ہی یوں لگتا ہے گویا قادیانی فتنہ پرو َرٹولے کو پر لگ گئے ہیں۔ آئے دن ان کی سازشیں اور شرارتیں اندرون و بیرونِ ملک طشت از بام ہوتی رہتی ہیں، ان کی سازشوں اور شرارتوں کا یوں بڑھنا کوئی معمولی واقعہ یا کوئی سادہ سی بات نہیں، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہے جو خفیہ طور پر کام کررہا ہے۔

آخر سوچنے کی بات ہے کہ موجودہ حکومت نے آتے ہی اقتصادی کمیشن میں جہاں دوسرے ماہرینِ اقتصادیات کے نام شامل کیے‘ وہاں عاطف قادیانی سمیت کچھ اور قادیانیوں کے نام بھی شامل کیے۔ اور یہ عاطف میاں وہ ہے جس کے بارہ میں جناب عمران خان صاحب کنٹینر پر کھڑے ہوکر کہا کرتے تھے: ’’یہ عاطف میاں ہماری حکومت کے وزیرخزانہ ہوں گے۔‘‘ وہ بعض وجوہ کی بنا پر وزیر خزانہ تو نہ بن سکا، لیکن جناب عمران خان کی حکومت نے اسے اقتصادی کمیشن میں شامل کرلیا۔ جب اس کے خلاف عوام کا دباؤ بڑھا تو اس کا نام اقتصادی کمیشن میں شامل نہ کیے جاسکنے کی وجہ سے وہ کمیشن ہی ختم کردیا۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ اس حکومت کے دور میں ایک سزا یافتہ مجرم عبدالشکور نامی قادیانی شخص جو جیل میں ہوتا ہے، اس کی سزا مکمل ہونا ابھی باقی ہوتی ہے کہ اسے نہ صرف جیل سے رہائی کا پروانہ تھما دیا جاتا ہے، بلکہ بڑے عز و افتخار اور تکبر و غرور کے نشے میں امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے دربار میں رسائی بھی دلائی جاتی ہے، اور پھر وہ بین الاقوامی میڈیا کے سامنے پاکستان پر الزامات لگا کر ہمارے پیارے ملک پاکستان کی توہین کرتا ہے۔

اس کے بعد اسی سال جب حج فارم جاری کیا جاتا ہے تو اس حج فارم میں موجود ختم نبوت کا حلف نامہ اُڑا دیا جاتا ہے۔ علمائے کرام اور عوام کے بھرپور احتجاج کے بعد وزیر مذہبی امور لایعنی سی

وضاحتیں کرتے ہیں اور پھر خود ہی قائمہ کمیٹی کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ پہلے حلف نامہ اصل فارم سے بھی اُڑا دیا گیا تھا، میں نے احتجاج کیا اور اس کے بعد اصل فارم میں اسے بحال کیا گیا، اور وعدہ کیا کہ میں تحقیقات کراؤں گا، لیکن آج تک تحقیقات نہ کرائی جاسکیں۔ اور اب حال ہی میں پوری دنیا کی طرح جہاں پاکستان بھی کرونا کی وبا کے خوف میں مبتلا ہے، وہاں وزارتِ مذہبی امور کے تحت اقلیتی کمیشن کے لیے سمری بنتی ہے تو اس میں دوسری اقلیتوں کے علاوہ قادیانیوں کا نام بھی شامل کرلیا جاتا ہے، میڈیا میں اس خبر کے آنے کے بعد جب وزیر مذہبی امور سے اس کے بارہ میں استفسار کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے بارہ میں مشاورت (ڈسیــجــن) ہوئی تھی، لیکن فیصلہ نہیں ہوا تھا، اور یہ بھی کہا کہ پانچ چھ کابینہ ارکان کی یہ رائے تھی، لیکن اکثریت نے اسے مسترد کردیا، پھر سوال ہوا کہ سمری میں کس نے نام ڈالے؟ تو وہ کہنے لگے: پتہ نہیں، میں تحقیقات کراؤں گا۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر وزیر موصوف صحیح کہہ رہے ہیں تو عین ان کی وزارت کے نیچے کون سے قادیانیوں کے ایسے کارندے ہیں جو قادیانیت نوازی کررہے ہیں، بلکہ اس طرح خلافِ آئین اور خلافِ قانون حرکت کرکے حکومت، ملک اور قوم کو بھی اضطراب میں مبتلا کررہے ہیں۔ کیا وہ اتنے جری ہوگئے ہیں کہ حکومتی کاموں میں بھی مداخلت کرنے لگے ہیں؟! اسی لیے علمائے کرام اور آئین ساز اسمبلی کے معزز اراکین نے ۱۹۷۴ء میں ان کو غیر مسلم اقلیت میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ ان کو کلیدی عہدوں سے بھی ہٹایا جائے۔ یہ جب تک ان عہدوں پر براجمان رہیں گے، اس وقت تک ملک اور قوم کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالتے رہیں گے، ان حرکتوں اور کرتوتوں کے سامنے آنے سے ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کی بات سوفی صد درست ثابت ہورہی ہے۔

عجیب مذاق ہے کہ ایک گروہ جو ایک ملک کے آئین اور قانون کو نہیں مانتا، لیکن اپنے مفادات سمیٹنے کی خاطر اس ملک کے کلیدی عہدوں پر براجمان ہے، گویا مسلمانوں کی اکثریت پر ایک اقلیت حکومت کررہی ہے، حالانکہ جسٹس میاں محبوب احمد کی عدالت نے ۲ دسمبر ۱۹۸۱ء میں ایک فیصلہ دیا تھا کہ: ''کوئی قادیانی مسلم اکثریت والے گاؤں کا نمبردار نہیں بن سکتا۔'' (سی ایل سی ۱۹۸۲ء، ص: ۳۵۷)

جب ایک مسلم اکثریت والے گاؤں کا ایک اقلیت سے تعلق رکھنے والا قادیانی نمبردار نہیں بن سکتا، تو مسلم اکثریت والے ملک کے وفاقی محکمے ہوں یا صوبائی اور شہری محکمے' ان کے کلیدی عہدوں پر قادیانی کیسے براجمان ہوسکتے ہیں، یہ حکومت اور اربابِ اقتدار سے سوال ہے۔

قادیانیوں کے اقلیتی کمیشن میں شمولیت کے بارہ میں جیسے ہی خبر میڈیا میں آئی تو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم (امیر

مرکز یہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت) اور مجلس کے مرکزی راہنماؤں کی طرف سے ۲۹ اپریل ۲۰۲۰ء کو یہ بیان جاری کیا گیا کہ: ''حکومتی حلقہ سے اس خبر کا آنا کہ ایک اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، یہ محلِ نظر ہے اور مسلمانوں کے لیے تشویش کا باعث، اس لیے کہ پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلے اور دستورِ پاکستان کو نہ ماننے کی بنا پر قادیانی آئینِ پاکستان کے منکر اور باغی ہیں اور آئین کے باغیوں کو کسی کمیشن کا رکن بنانا کسی طور پر درست نہیں۔ پاکستان کا آئین قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے اور آج تک انہوں نے اپنی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا۔ آئین کے باغی اور آئین شکن گروہ کو حکومت کے کسی کمیشن میں شریک کرنا یہ ان کی آئین شکنی پر حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ جب سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا گیا ہے، آج تک قادیانیوں کو کسی کمیشن میں شامل نہیں کیا گیا۔ اب وہ اپنی اس آئینی حیثیت کو تسلیم نہ کریں اور آئین کے انکار کے باوجود انہیں کمیشن کا ممبر بنانا گویا ان کے لیے راستہ مہیا کرنا ہے کہ آئندہ وہ امن کمیٹیوں میں، علماء بورڈ میں، مکالمہ بین المذاہب میں اور پاکستان کے تمام پلیٹ فارموں کو وہ استعمال کرسکیں، یہ قادیانیوں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی اور حکومت کی قادیانیت نوازی کی بدترین مثال ہے۔ ریاستِ مدینہ کی مدعی گورنمنٹ سے ایسے اقدام کی بالکل توقع نہیں تھی۔ انہوں نے یہ اقدام کرکے اسلامیانِ وطن کے ساتھ ناقابلِ تلافی اور ناقابلِ معافی زیادتی کا ارتکاب کیا ہے۔ حکومت انہیں کمیشن میں شامل کرنا چاہے تو ہمیں خوشی ہوگی، لیکن پہلے قادیانیوں سے وہ یہ تسلیم کرائے کہ ہم بطور غیر مسلم کے اس اقلیتی کمیشن میں شامل ہورہے ہیں، ہمیں خوشی ہوگی کہ انہیں کمیشن کا ممبر بنادیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ تسلیم نہیں کرتے اور پھر بھی انہیں ممبر بنایا جاتا ہے تو یہ پاکستان کے آئین اور پاکستان کی بنیادوں کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہوگا اور اسے ہم مسترد کرتے ہیں، حکومت کو چاہیے کہ اپنے اس ناروا فیصلے پر نظرِ ثانی کرے۔''

حکومت نے اگرچہ بعد میں قادیانیوں کو اس اقلیتی کمیشن میں شامل نہیں کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ قانون کی رو سے ایسا کرنے کے مجاز بھی ہیں یا نہیں؟ وکلاء حضرات کا کہنا یہ ہے کہ قانونی طور پر بھی قادیانیوں کو حکومت کسی کمیشن میں داخل کرنے کی مجاز نہیں ہے، کیونکہ ہر اقلیت دستور کے آرٹیکل ۳۶ کے تحت پہلے حکومت کو درخواست کرے گی کہ میرا تعلق فلاں اقلیت سے ہے، مجھے ان کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے، اقلیت میں رجسٹرڈ ہونے کے بعد کسی حکومتی ذمہ داری یا کمیشن میں شامل ہوسکتے ہیں۔ جب قادیانیوں نے اپنے آپ کو اقلیت کے طور پر رجسٹرڈ نہیں کرایا تو وہ کمیشن میں کیسے شامل ہوسکتے ہیں؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے میٹرک پاس کیے بغیر کوئی فرسٹ ائیر یا سیکنڈ ائیر کے امتحان میں شریک ہوجائے۔ جس طرح یہ خلافِ ضابطہ اور خلافِ قانون ہے، اسی طرح وہ بھی خلافِ ضابطہ اور خلافِ قانون ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا اصرار اور حکومت کا یہ اقدام پاکستانی قوم کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

قادیانیوں کو اقلیتی کمیشن میں شامل کرنے کی ان کوششوں کے ردِعمل میں موجود پاکستانی قوم میں پائے جانے والے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے مسلم لیگ (ق) سے تعلق رکھنے والے پنجاب اسمبلی کے معزز رکن جناب حافظ عمار یاسر صاحب کی جانب سے تحفظِ ناموسِ رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے حق میں قرارداد پیش کی گئی، جسے پورے ایوان نے متفقہ طور پر منظور کرلیا، تاریخ میں محفوظ کرنے کے لیے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے، قرارداد کے متن میں کہا گیا کہ:

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے مسلمانو! حضرت محمد رسول ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی مہر لگ گئی اور یہ راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے، یہاں سے اب کسی اور نبوت کے اِجرا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) (سور الاحزاب آیت: ۴۰)۔ جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''میری امت میں سے تیس افراد ایسے اُٹھیں گے جو کذاب (انتہائی جھوٹے) ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' حضرت محمد رسول ﷺ کی عظمت اور فضیلت کا پہلو اس اعتبار سے ہے کہ نبوت آپ پر کامل ہوگئی ہے، رسالت کی آپ پر تکمیل ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن وحدیث شریف میں حضور ﷺ کے ضمن میں خاص طور پر تکمیل، اکمل جیسے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں، جیسا کہ قرآن شریف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''آج کے دن ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا ہے اور آپ پر اپنی نعمتوں کا اتمام فرمادیا ہے۔'' یہ ایوان وفاقی کابینہ کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے جنہوں نے قادیانیوں کو اس بنا پر اقلیتی کمیشن میں شامل نہیں کیا۔ قادیانی نہ آئینِ پاکستان کو مانتے ہیں نہ اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایوان اعادہ کرتا ہے کہ آئے روز ناموسِ رسالت پر کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کردیا جاتا ہے، کبھی حج فارم میں تبدیلی کردی جاتی ہے، کبھی کتب میں سے خاتم النبیین کا لفظ نکال دیا جاتا ہے، لیکن آج تک ان سازشیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، لیکن ہمیں تحفظِ ناموسِ رسالت کی بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ یہ ہم سب کے لیے شرم کا مقام ہے۔ یہ ایوان وفاقی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے، جو لوگ ان سازشوں میں ملوث ہیں ان کو بے نقاب کر کے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ اقلیتی کمیشن میں ہندو، سکھ اور مسیحی بیٹھے ہیں، ہم نے کبھی ان پر اعتراض نہیں کیا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے۔ ہم اقلیتوں کو آئین میں دیئے گئے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ ایوان مطالبہ کرتا ہے کہ اگر قادیانیوں کا سربراہ یہ لکھ کر بھیج دے کہ وہ آئینِ پاکستان کو

مانتے ہیں اور اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں ان کے اقلیتی کمیشن میں بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ختم نبوت کا معاملہ ہمارے لیے ریڈ لائن ہے۔ تحفظِ ختم نبوت، تحفظِ ناموسِ رسالت، تحفظِ ناموسِ اصحابِ رسول، تحفظِ ناموسِ اہلِ بیت اطہار اور تحفظِ ناموسِ امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی چیز نہیں، اس پر ہمارا سب کچھ قربان ہے۔ اس پر کسی کو ابہام نہیں ہونا چاہیے۔ اس موقع پر اسپیکر چوہدری پرویز الٰہی نے کہا کہ ہم سب ناموسِ رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے محافظ ہیں۔ وفاقی کابینہ میں اکثر وزراء نے اس ترمیم کی مخالفت کی۔ کابینہ نے طے کیا کہ جب تک قادیانیوں کا سربراہ تسلیم نہیں کرتا کہ وہ غیر مسلم ہیں، تب تک وہ قومی اقلیتی کمیشن میں نہیں شامل ہوسکتے۔ قادیانی آئینِ پاکستان کو جب تک تسلیم نہیں کرتے وہ کمیشن میں نہیں آسکتے۔ ایجنڈا ختم ہونے پر اسپیکر چوہدری پرویز الٰہی نے اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کردیا۔'' (روزنامہ انتخاب، ۱۲ مئی، ۲۰۲۰ء)

....

''کے پی کے'' کے سرکاری اسکوں میں ایک بار پھر چوتھی کلاس کی اسلامیات کے نصاب سے عقیدہ ختمِ نبوت کے متعلق مضمون میں تحریف کی گئی ہے اور یہ کسی قادیانی یا قادیانی نواز کی کارستانی ہوسکتی ہے۔ دونوں کتابیں میرے سامنے ہیں اور دونوں میں فرق واضح کیا جاتا ہے۔ ۱۸-۲۰۱۷ء کے چوتھی کے اسلامیات کے نصاب کی کتاب میں صفحہ نمبر: ۱۳ پر انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان کے عنوان کے تحت عبارت ہے:

''سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور نبی ہیں، **آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے**، قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کا واحد ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر **نازل ہونے والی** کتاب قرآن مجید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرت ہے۔ **ان باتوں پر یقین رکھنا عقیدہ ختم نبوت کہلاتا ہے، جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور اسلام سے خارج ہے۔**''

۲۰-۲۰۱۹ء کے چوتھی کے اسلامیات کے نصاب کی کتاب میں یہی عبارت یوں ہے:

''سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور نبی ہیں، یعنی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کا واحد ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام یعنی قرآن مجید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت وسیرت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے سے دنیا وآخرت میں کامیابی اور نجات مل سکتی ہے۔''

آپ نے دونوں عبارتوں میں موازنہ کرلیا، ایک تو نئے نصاب میں خط کشیدہ عبارت پوری حذف کردی گئی۔

۲:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ''نازل ہونے والی کتاب'' کو بدل کر'' کا لایا ہوا پیغام یعنی.....'' کردیا۔

۳:- سنت اور سیرت ہے کہ بعد عبارت حذف کرکے اس کی جگہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ'' آگے عبارت بڑھائی گئی جو قادیانیوں کے منشا ومطلب کو تو پورا کررہی ہے، لیکن مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت پر چھری چلائی گئی ہے۔

۴:- اور پھر صفحہ: ۱۴ پر سوال نمبر: ۶ ''آخری پیغمبر کون ہیں؟ عقیدہ ختمِ نبوت سے کیا مراد ہے؟'' پورا اُڑا دیا گیا۔

اس جعل سازی پر کے پی کے اسمبلی میں جمعیت علمائے اسلام کی معزز رکن محترمہ حمیرا خاتون نے نکتۂ اعتراض اُٹھایا تو اسپیکر مشتاق غنی نے انہیں جواب دیا کہ اسلامیات کی کتاب میں سے ختم نبوت کے الفاظ حکومت کی اجازت کے بغیر ختم کیے گئے تھے، وزیرِ تعلیم نے الفاظ کو دوبارہ نصاب میں شامل کرنے کا حکم دے دیا ہے، جب کہ تبدیلی کے ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی کی ہدایت کردی ہے۔ ادھر وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا کے مشیر برائے تعلیم ضیاء اللہ بنگش نے جماعت چہارم کی اسلامیات کی کتاب سے ختم نبوت اور عقیدہ ختم نبوت کا باب نکالنے کے واقعے کا سخت نوٹس لیا ہے اور ایڈیشنل سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ محکمہ ایجوکیشن کی سربراہی میں انکوائری کمیٹی قائم کی ہے جو معاملے کی مزید تحقیقات کرے گی اور اس میں ملوث اہلکاروں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ مشیرِ تعلیم نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا اور جو بھی ذمہ دار ہے اس کو ضرور سزا دیں گے۔ انہوں نے تمام اسکولوں سے مذکورہ جماعت چہارم کی اسلامیات کی کتاب واپس لینے اور صوبے کے تمام اسکولوں کو ۲۰۱۸ء کی اسلامیات کی کتاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے اسٹاک سے مہیا کرنے کے احکامات بھی جاری کیے ہیں۔

بہرحال اہلیانِ پاکستان کے سوچنے کا مقام ہے کہ حکومتی ذمہ داران کی ناک کے نیچے ہمارے ایمان اور عقیدے پر دن دہاڑے ڈاکا ڈالا جاتا ہے، لیکن بقول ان کے ان میں سے کسی کو اس کا پتہ ہی نہیں ہوتا، جب مسلمان عوام احتجاج کرتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر یہ کام ہوا ہے اور آخر وہ

کون سے خفیہ ہاتھ ہیں جو اس طرح کی مسلسل کارروائیاں کررہے ہیں، آخر ان کو بے نقاب کیوں نہیں کیا جاتا اور انہیں کڑی سزائیں کیوں نہیں دی جاتیں؟! کیا اس وقت کا انتظار ہے کہ عوام خود ان کے اوپر ہاتھ ڈالیں گے، تب حکومت کو سمجھ آئے گی؟! خدارا ایسے حالات نہ بنائیں کہ عوام اور ایسی خفیہ کارروائیاں کرنے والے باہم دست وگریباں ہوں اور عوام چن چن کر ایسے افراد کو خود بے نقاب کرکے عبرت کا نشان بنائیں۔

....

ہمارے ملک میں امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس ۱۹۸۴ء کے تحت قادیانیوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی بالکل اجازت نہیں، ایسا کرنے والے کو تین سال تک جیل اور مالی جرمانہ عائد ہوتا ہے، لیکن اس حکومت میں پاکستان میں بھی قادیانیوں کے چینل کھولے جارہے ہیں، جن پر حکومتی افراد اور مقتدر طبقہ کو احساس دلانے اور ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے مرزا فاروق حیدر چیئرمین فورتھ پلر میڈیا واچ ڈاگ کی درج ذیل درخواست کافی ہے:

’’جناب عالی پیمرا کے چیئرمین محمد سلیم بیگ اور فخر الدین مغل ایک عرصہ سے قادیانیوں کے چینلز کو غیر قانونی طور پر اور جانتے ہوئے کہ بغیر لائسنس کسی چینل کی سرپرستی کرنا اور خاص طور پر قادیانیوں کو بغیر لائسنس کے ملک میں ڈش اور کیبل پر چلانے کی سرپرستی کرنا قانوناً جرم ہے۔ اس کے باوجود وہ آنکھیں بند کرکے اس تماشہ کو دیکھتے رہے، جناب عالی! مزید یہ کہ فخر الدین مغل قادیانی جو کہ پیمرا آفیسر ہے اور اس نے احمدی جماعت کے ساتھ مل کر پاکستان میں نشریات چلانے کی سازش کی جس کے قادیانی ہونے کا ثبوت درخواست کے ساتھ لف ہے، پیمرا کے دیگر آفیسرز اور ملازمین کو فخر الدین مغل قادیانی کی سازش کے متعلق معلوم ہوا تو دفتر میں لڑائی جھگڑا بھی ہوا اور فخر الدین مغل کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کی بجائے چیئرمین سلیم بیگ نے نہ صرف اس معاملے کو دبادیا، بلکہ فخر الدین مغل کو پانچ سال کی چھٹی پر امریکہ بھجوادیا اور اس نے امریکہ میں سیاسی پناہ لے رکھی ہے اور وہ ابھی بھی پیمرا کا ملازم ہے۔

جناب عالی! گزارش ہے کہ قادیانی/ احمدیہ چینلز کی نشریات کو فی الفور بند کرتے ہوئے قادیانیوں کے چینلز کا Equipmen\Cable Installation مارکیٹ سے قبضہ میں لی جائے اور ڈسٹری بیوٹرز/ کیبل ڈش آپریٹرز کے خلاف قانونی کارروائی کرتے ہوئے قادیانی / احمدیہ چینلز کی نشریات کے سیٹلائٹ بکس جن گھروں میں لگا رکھے ہیں، وہاں سے برآمد کرکے قبضہ میں لیے جائیں اور قادیانی/ احمدیہ چینلز کے سہولت کار فخر الدین مغل قادیانی کو بھی فوری پیمرا سے برطرف کیا جائے۔‘‘

العارض: مرزا فاروق حیدر

چیئرمین فورتھ پلر میڈیا واچ ڈاگ

یہ مطالبہ کہ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے‘ یہ کوئی بلا جواز مطالبہ نہیں، بلکہ اس کا محرک یہ ہے کہ ہر قادیانی کسی محکمہ میں ملازم بعد میں ہوتا ہے اور اپنے جھوٹے نبی مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کا مبلغ پہلے ہوتا ہے اور وہ اپنے عہدہ اور اسٹیٹس کو استعمال کرتے ہوئے قادیانیت کی تبلیغ کرتا ہے، جیسا کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے ایک فیصلے میں کہا کہ:

’’مذہب کی تبلیغ پر پابندی کا محرک بھی اسی طرح کی سوچ ہے۔ قادیانیوں نے خود کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں کو یہ تسلی دینے کہ احمدیت کو ماننے کا معنی اسلام کو ترک کرنا یا ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرنا نہیں، بلکہ بہتر مسلمان بننے کا موقع ہے، کی حکمت عملی کی بدولت ان میں اور زیادہ تر پنجاب میں کچھ کامیابی حاصل کی۔ اس مقصد کے کے لیے وہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں سخت فرقہ واریت اور علماء کی مسلسل شدت کے خلاف موجود نفرت کے روایتی سروں کو چھیڑتے ہیں اور انہیں اپنی تبلیغ، جسے وہ اسلام میں آزاد خیالی قرار دیتے ہیں، کی جانب راغب کرتے ہیں۔ یہ حکمت عملی‘ جس نے انہیں کچھ فائدہ دیا ہے، اس سوداگر کے اس فراڈ سے گہری مماثلت رکھتی ہے جو اپنے گھٹیا سامان کو ایک شہرت یافتہ فرم کا اعلیٰ قسم کا معروف سامان ظاہر کر کے چلتا کرتا ہے، قادیانی یہ تسلیم کرلیں کہ ان کی تبلیغ اسلام کے لیے نہیں، بلکہ کسی اور مذہب کی طرف ہے، تو بے خبر مسلمان بھی اپنے ایمان کو چھوڑ کر کفر قبول کرنے سے نفرت کریں گے، بلکہ اُلٹا قادیانیوں کے دلوں سے احمدیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔‘‘ (قادیانیت کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کے تاریخی فیصلے، مرتبہ: فیاض اختر ملک، ص:۲۳۰-۲۳۱)

افسوس یہ ہے کہ حکومتِ وقت، اربابِ اقتدار اور ان کے حواریوں کو اب بھی ندامت نہیں، اس لیے کہ انہیں احساس ہی نہیں کہ ہماری حکومت میں خلافِ دستور وخلافِ قانون کوئی کام ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ معاشی بدحالی، اسکینڈل پر اسکینڈل، وبائی امراض اور ٹڈی دل کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ دل کے اندھے پن سے محفوظ رکھے، اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یا اللہ! ہمارے اہلِ وطن اور حکومت کے قصور معاف فرما، ہمارے ملک کے اربابِ حل وعقد کو فتنۂ قادیانیت کو سمجھنے، ان سے بچنے اور اپنے ملک کو ان کی سازشوں سے محفوظ فرما۔ یا اللہ! ہمیں حضور اقدس ﷺ کے طفیل اس ملک پر، نیک، عادل، دینی حمیت اور ملکی وقار سے سرشار حکمران نصیب فرما، جو ملک، قوم اور مسلمانوں کو نیکی اور شرافت کی راہ پر ڈالیں، مظلوموں کے ساتھ عدل وانصاف کریں اور کمزوروں کی مدد اور اعانت کریں، وماذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

حضرت علّامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ایک بلند پایہ محدّث، مایۂ ناز ادیب اور خداترس مہتمم

(چوتھی اور آخری قسط)

مفتی عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند، انڈیا
حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

عربی ادب میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

حضرت علّامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان وادب کا فطری ذوق عطا فرمایا تھا، ان کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ: ''میرے لیے اردو سے زیادہ فارسی میں اور فارسی سے زیادہ عربی میں لکھنا آسان ہے۔'' فصیح وبلیغ عربی زباں میں بلاتکلف بولنا اور لکھنا آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ آپ اگر ایک طرف عربی زباں کے ایک بلند پایہ نثر نگار تھے، تو دوسری طرف اس فطری زباں کے اچھے شاعر بھی تھے، جس طرح ''المقدّمات البنوریة'' اور ''نفحة العنبر'' اور آپ کی دیگر عربی تصانیف نثر نگاری میں آپ کے امتیاز کی گواہی دیتی ہیں، اسی طرح ''القصائد البنوریة'' سے شعرگوئی میں بھی آپ کے مقامِ عالی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے استاذِ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ''نفحة العنبر في حياة إمام العصر الشيخ محمد أنورؒ'' کا مطالعہ فرمایا، تو بہت خوش ہوئے اور ایک مفصل تحریر لکھ کر آپ کو ارسال فرمائی، جس میں سے ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے:

> ''میرے خیال میں آپ کا یہ رسالہ بھی اُسی مرحوم (حضرت علّامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) کے کمالات کا ایک عکس اور اس کے آثارِ صالحہ میں سے ایک اثرِ قوی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کی علمی لیاقت، ادبی قابلیت اور دینی صلاحیتوں کا میں پہلے سے معتقد تھا، مگر اتنا نہیں جس قدر اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہوگیا ہوں۔ بجز پُرخلوص دعا کے اور کیا صلہ آپ کی محنت کا پیش کروں؟ مرحوم کے نیاز مند رفیقوں اور عقیدت منداصحاب کے مہجور ومحزون قلوب سے دعائیں نکلتی ہیں کہ تم نے ان کی تسلی کا ایک خاصہ مشغلہ مہیّا کردیا۔'' (نفحۃ العنبر، ص:۳۲۶)

راقم الحروف اس سے پہلے عرض کرچکا ہے کہ رواں صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر جب

میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، سالِ رواں (۱۴۴۱ھ) تک ''معارف السنن شرح سنن الترمذي'' سے لگاؤ رہا ہے، اور بالخصوص آخری سترہ سالوں میں تو اس سے ایک خصوصی مناسبت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اس عرصے کے اندر ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' میں ترمذی شریف جلد اول کا سبق اس حقیر سے متعلق رہا ہے، جس کے لیے ''معارف السنن'' کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا طویل طالب علمانہ مناسبت کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ''معارف السنن'' کی علمی مباحث اپنی جامعیت وگہرائی کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے اعتبار سے بھی ایسی تعبیرات پر مشتمل ہیں جو بڑے بڑے ادیبوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں، نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سننِ ترمذی میں ''أبواب الصلاۃ'' کے ضمن میں ایک باب بعنوان ''باب ما جاء في بدء الأذان'' قائم کیا ہے، جس کے تحت ابتداء اذان سے متعلق حدیثیں ذکر کی ہیں۔ حضرت علامہ بنوریؒ نے اپنی کتاب ''معارف السنن شرح سنن الترمذي'' میں مذکورہ باب کی تشریح کرتے ہوئے اپنے انداز کے مطابق ابتداء اذان سے متعلق امام ترمذیؒ کی روایت کردہ حدیثوں کے ساتھ ساتھ دیگر کتبِ حدیث کی اُن حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو موضوع سے متعلق تھیں اور ان حدیثوں کے درمیان جو بظاہر ایک تعارض پایا جاتا تھا، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مذکورہ احادیث کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کے لیے انہوں نے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانیؒ کا کلام ''فتح الباري شرح صحیح البخاري'' سے اور حافظ بدرالدین عینیؒ کا کلام ''عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري'' سے ملخّص کرکے نقل کیا ہے، جس سے اس کلام کی اہمیت کے باوجود تعارض مکمل طور پر دور نہیں ہوتا اور اشکال باقی رہتا ہے۔

پھر حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے اس کے آخر میں ایک جملے کے اندر وضاحت کی ہے کہ اس تحقیق سے وہ اشکال جو حافظ بدرالدین عینیؒ اور حافظ شہاب الدین ابن حجرؒ کی تحقیق سے دور نہیں ہوسکا تھا، وہ بھی ختم ہوگیا۔ مذکورہ بالا وضاحت جس مختصر ادبی جملے میں حضرت محدث العصر علامہ بنوریؒ نے پیش فرمائی ہے، اس جملے کو پڑھ کر ہر وہ شخص جو عربی ادب سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو، محوِتعجّب ہوکر دادِ تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ جملہ یہ ہے:

''وانزاحت الدُّلجةُ التي لم تنقشع بتنویر البدر والشهاب.''

مفہوم ومقصود: ''اور اس تحقیق سے وہ تاریکی جو ماہِ کامل اور روشن ستارے کی ضیاء پاشی سے بھی مکمل طور پر دور نہ ہوسکی تھی، ختم ہوگئی۔''

مذکورہ بالا جملے میں جہاں حضرت علامہ بنوریؒ نے اپنے محققانہ کلام کے ذریعے اشکال ختم

ہونے کا ذکر فرمایا ہے، وہاں لفظ ’’البدر‘‘ سے حافظ بدرالدین عینیؒ اور لفظ ’’الشھاب‘‘ سے حافظ شہاب الدین ابن حجرؒ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے۔

حضرت بنوریؒ کی تین دیگر ایسی خصوصیات جن سے احقر بے حد متاثر ہوا ہے

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کا علمی مقام، وسعتِ مطالعہ، ادبِ عربی میں منفرد صلاحیت اور للّٰہیت وتقویٰ کی نرالی شان، یہ سب کے سب ان کی ایسی خصوصیات ہیں جن سے ان کے دیکھنے والے اور متعلقین سب آگاہ اور متاثر رہے ہیں۔ ان نمایاں خصوصیات کے علاوہ ان کی دیگر تین ایسی متاثر کن خصوصیات ہیں جن سے ہر مسلمان کو بالعموم اور اصحابِ علم حضرات کو بالخصوص اپنی زندگیوں کے لیے ایک کامیاب لائحۂ عمل تیار کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے، اور دنیا پرستی وجاہ پرستی اور غفلت ولاپروائی کے موجودہ دور میں ان خصوصیات سے استفادہ کرنے کی بے حد ضرورت بھی ہے، ان تین خصوصیات کو سپردِ قلم کیا جارہا ہے:

۱- شب خیزی اور تہجُّد کا اہتمام

ہمارے اکابرین کی عاداتِ طیّبہ میں سے ایک عادت رات کی آخری تہائی میں دربارِ خداوندی میں حاضری اور نمازِ تہجُّد کی پابندی رہی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے دوسرے اکابرین سفر وحضر میں نمازِ تہجُّد کا اہتمام فرماتے اور رات کے اس حصے میں جس میں صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو مخاطب بنا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ: ’’کوئی ہے مجھ کو پکارنے والا؟ تاکہ اس کی پکار کو قبول کروں؟‘‘ اللہ تعالیٰ کو گڑگڑا کر یاد کرتے، اور کسی بھی قیمت پر ان مبارک لمحات کو غفلت میں گزارنا پسند نہیں فرماتے۔ حضرت علّامہ بنوری قُدِّس سرُّہٗ بھی اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سفر وحضر میں تہجُّد کی نماز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑانے کے معمول کا ناغہ نہ فرماتے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم جنہوں نے حضرت محدّث العصر علّامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قُدِّس سرُّہٗ کی صحبتوں سے کافی فیض حاصل کیا ہے، اپنی کتاب ’’نقوشِ رفتگاں‘‘ میں حضرت بنوریؒ کی شب خیزی وآہِ سَحری کا ایک چشم دید واقعہ جو تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں ’’کوئٹہ بلوچستان‘‘ کے سفر کے موقع پر پیش آیا تھا، اس طرح نقل فرمارہے ہیں:

’’کوئٹہ کے سفر میں احقر مولاناؒ کے ہمراہ تھا، یہاں مولاناؒ کو کل چوبیس گھنٹہ ٹھہرنا تھا، جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا، ایک پریس کانفرنس تھی، گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام تھا۔ سارے دن مولاناؒ کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا، اور رات کو

جب ہم جلسۂ عام سے فارغ ہوکر آئے تو بارہ بج چکے تھے، خود میں تھکن سے نڈھال ہورہا تھا، مولاناؒ تو یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے، میں نے بارہا کوشش کی تھی کہ مولاناؒ کبھی جسمانی خدمت کا موقع دے دیں، لیکن وہ ہمیشہ سختی سے انکار فرمادیتے تھے۔ اس رات احقر نے کچھ ایسے ملتجیانہ انداز میں مولاناؒ سے پاؤں دبانے کی اجازت چاہی کہ مولاناؒ کو رحم آ گیا، اور انہوں نے اجازت دے دی، لیکن یہ محض میری خاطر داری تھی، چنانچہ ہر تھوڑی دیر بعد وہ کچھ دعائیں دے کر پاؤں سمیٹنے کی کوشش کرتے، بالآخر میں نے جب محسوس کیا کہ ان کو پاؤں دبوانے کی راحت سے زیادہ طبیعت پر بار ہورہا ہے تو میں نے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں سوگیا، رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولاناؒ کی چارپائی خالی ہے اور وہ قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں۔ اللہ اکبر! ایسے سفر، اتنے تکان اور اتنی مصروفیات میں بھی ان کا نالۂ نیم شبی جاری تھا! یہ دیکھ کر مجھے ایک تو ندامت ہوئی کہ مولاناؒ اپنے ضعف، علالت اور سفر کے باوجود بیدار ہیں اور ہم صحت اور نوعمری کے باوجود محوِ خواب! اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ ایسے ہنگامۂ دار و گیر میں بھی اپنے رب کے ساتھ اتنا مستحکم ہو ان شاء اللہ! وہ ناکام نہیں ہوگی۔‘‘ (نقوشِ رفتگاں، ص:۹۹-۱۰۰)

احقر کہتا ہے کہ تہجد اور شب خیزی کا اہتمام جو اکابرین کا معمول رہا ہے، درحقیقت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقوں کی پیروی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوام کو تو چھوڑیئے! آج کل خواص میں بھی یہ معمول کمزور ہوتا نظر آرہا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی مشکلات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ غور کیا جائے! تحریکِ ختم نبوت کی عظیم الشان کامیابی میں جہاں اس کے قائد حضرت علامہ بنوریؒ اور دیگر علمائے حق کی محنتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے، وہاں ان حضرات کی نالۂ نیم شبی اور شب خیز دعاؤں نے بھی اپنا اثر دکھایا ہے۔ آج بھی اگر تہجد و شب خیزی کا اہتمام اور اپنے رب کے سامنے رات کے آخری حصے میں التجا کرنے کا سلسلہ قائم کیا جائے تو امید ہے کہ آخرت کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہمیں اپنے دینی مقاصد میں کامیابی، اہلِ باطل کی سازشوں سے نجات اور موجودہ ’’کورونا وائرس‘‘ اور دیگر مشکلات سے چھٹکارا عطا فرمائیں گے۔

۲- دنیا سے بے رغبتی

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ’دنیا سے ان کی بے رغبتی‘ بھی ہے۔ کراچی جیسے بڑے شہر کے بالکل وسط میں رہتے ہوئے اپنی بے نظیر مقبولیت ومحبوبیت کے باوجود انہوں نے اپنے دینی جذبے کے تحت ایک بہت بڑا دینی ادارہ ’’جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی‘‘ تو بنا دیا، لیکن اپنی ذات یا اپنی اولاد کے لیے کوئی معمولی مالی مفاد حاصل کرنے کی کوشش کبھی

نہیں کی، یہاں تک کہ اپنے لیے نہ تو کوئی ذاتی سواری لی اور نہ ہی اپنی یا اپنی اولاد کی رہائش کے لیے کوئی معمولی سا ذاتی مکان بنایا۔

کراچی کی تاجر برادری سے تعلق رکھنے والے گلشنِ اقبال میں رہائش پذیر ایک شخص حاجی جمال الدین صاحب مرحوم جو حضرت بنوریؒ سے بے پناہ محبت وتعلق رکھنے والے اور ان کے بہت سے واقعات سے واقف تھے، انہوں نے ایک دفعہ آبدیدہ ہوکر حضرت بنوریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے براہِ راست مجھے بتایا کہ حضرت علامہ بنوریؒ جیسے مخلص و دنیا سے بے نیاز انسان کو تو ہم نے اپنی زندگی میں کسی کو بھی نہیں دیکھا ہے، ہم نے اپنے خصوصی تعلّق کے تحت بارہا حضرتؒ سے گزارش کی کہ آپ مدرسے کے ایک چھوٹے مکان میں رہتے ہیں اور آئندہ آپ کو یا آپ کی اولاد کو ذاتی مکان کی ضرورت پیش آسکتی ہے، جو انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، لہٰذا آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے لیے ایک ذاتی مکان کا بندوبست کریں! لیکن آپ ہمیشہ انکار فرماتے رہے اور اپنی پوری زندگی اسی عارضی مکان میں بسر کی۔

صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون) کے مشہور ومعروف عالم وخطیب حضرت مولانا محمد امیر بجلی گھر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ بتاریخ ۱۴۳۳/۲/۱۲ھ مطابق ۲۰۱۲/۱/۷ء بذریعۂ فون احقر سے بات کرتے ہوئے ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن'' سے میری وابستگی کی مناسبت سے حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرۂ خیر کرتے ہوئے اُن کی زاہدانہ زندگی سے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ سنایا:

''حضرت بنوری قدّس اللہ سرّہ جب کراچی سے سرحد تشریف لاتے تو حضرت مولانا ایوب جان بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اکثر قیام فرماتے، ایک دفعہ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ سرحد میں اپنے لیے ایک مکان بنالیتے تو اس میں آپ کے لیے بھی سہولت ہوتی اور جو لوگ یہاں پر آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں، ان کے لیے بھی آسانی ہوجاتی۔ حضرت بنوری قُدِّس سرُّہ نے فرمایا کہ میں نے تو کراچی میں اپنے لیے مکان بنالیا ہے، وہ ہی میرے لیے کافی ہے۔ میں نے سوچا کہ واقعی کوئی ذاتی مکان حضرتؒ نے بنالیا ہوگا۔ بہرصورت! حضرتؒ واپس کراچی تشریف لے گئے، کچھ عرصہ بعد میں بھی کسی جلسے میں شرکت کرنے کے لیے کراچی گیا اور جلسے سے فراغت کے بعد حضرت بنوری قُدِّس سرُّہ کی ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دورانِ ملاقات میں نے عرض کیا کہ: حضرت! آپ نے جو فرمایا تھا کہ میں نے کراچی میں اپنے لیے مکان بنالیا ہے، وہ کہاں ہے؟ فرمانے لگے: میرے ساتھ چلیے، میں دکھاتا ہوں، مجھے اپنے ساتھ لے جاکر مسجد کے شمال میں واقع ایک خالی زمین پر لے گئے اور زمین کے کچھ حصے پر لکیر کھینچ کر فرمایا کہ میرا مکان یہ ہے، آئندہ کبھی

آنا ہو تو یہاں پر مجھ سے ملنا۔ یہ بات ہوگئی اور میں بھی واپس سرحد آ گیا، پھر جب حضرت بنوریؒ کے وصال کے بعد میں کراچی گیا تو دیکھا کہ جہاں حضرتؒ نے لکیر کھینچی تھی وہیں پر آپ کی قبر تھی۔‘‘

۳- نام ونمود سے کنارہ کشی

شہرت و نام نمود سے حقیقی معنوں میں بیزاری و کنارہ کشی بھی حضرت علامہ بنوریؒ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت تھی، آپ تشہیر و پروپیگنڈے کے جتنے وسائل ہیں ان سے نہ صرف یہ کہ احتراز فرماتے، بلکہ ان کو اخلاص وللّٰہیت کے منافی تصور فرماتے۔ آپ کے معتمد خاص حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

’’قیامِ مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف بھی شروع ہوجاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہوجاتا ہے تو اپنے مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافعؒ کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو ان ہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں۔‘‘

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ اُس دور میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے بعد پورے برصغیر میں حضرت محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے پایہ کا کوئی محدث نہیں تھا۔ انہوں نے ’’جامعہ بنوری ٹاؤن‘‘ قائم بھی اس وقت فرمایا تھا جس سے پہلے وہ ’’دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار‘‘ میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے اور اس سے پہلے ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل‘‘ میں شیخ الحدیث وصدرالمدرسین کی حیثیت سے بخاری شریف سمیت حدیث وتفسیر کی مختلف کتابیں پڑھا چکے تھے، ان تمام حقیقتوں کے باوجود اپنے ہی قائم کردہ ادارے میں بخاری شریف کا سبق کسی اور کے حوالے کردینا ایثار وقربانی اور نام ونمود سے اجتناب کی ایک ایسی منفرد مثال ہے جس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی شاید کہیں نہ مل سکے گی۔

آج کل بعض دینی اداروں کے بانیان وذمہ داران حضرات کا یہ طرزِ عمل کہ اپنے اداروں میں سب سے اہم وبنیادی کتابوں کے اسباق اہلیّت وصلاحیّت کا لحاظ کیے بغیر صرف ناموری کے لیے اپنے پاس یا اپنی اولاد ومقرّبین کے پاس رکھ لیتے ہیں اور آگے ان اسباق کا حق بھی ادا نہیں کرتے، کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے؟! وہ حضرات اگر حضرت علامہ بنوریؒ جیسے اکابر واسلاف کی سیرتِ طیبہ پر غور کرتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے، تو یہ ان کے حق میں مفید اور ان کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت علاّمہ بنوریؒ کے جانشین امام اہلِ سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''حضرت علاّمہ بنوری قُدِّس سرُّہ نے نہ تو کبھی فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی اور تقسیمِ اسناد کے نام سے، اور نہ ہی بخاری شریف کے ختم کے نام سے کوئی سالانہ یا غیر سالانہ جلسہ کیا۔'' راقم عرض کرتا ہے کہ اس سے ان حضرات کو سبق لینے کی ضرورت ہے جو تعلیم سے زیادہ سالانہ جلسوں پر توجہ دیتے ہیں اور اپنے اپنے اداروں کی تشہیر کے لیے مختلف وسائل سے کام لینے کی کوشش کرتے ہوئے مبالغہ آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے تو ہر سال بہت سے فضلاء وحفاظ تیار ہو رہے ہیں، لیکن آگے ان کی دینی سرگرمیوں میں وہ جوش وخروش اور اخلاص نظر نہیں آتا جو اکابرین کے دور میں نظر آتا تھا۔

حضرت بنوریؒ سے احقر کی غائبانہ محبت

اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ احقر کو حضرت علاّمہ بنوری قُدِّس سرُّہ سے براہِ راست استفادہ کرنا تو درکنار ان کی زیارت کی سعادت کا موقع بھی نصیب نہیں ہوا ہے، بلکہ ان سے واقفیت کا آغاز ان کے وصال کے تین سال بعد اس وقت ہوا ہے جب میں ''مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ کوئٹہ'' کا طالب علم تھا اور پھر مزید واقفیت کا موقع دارالعلوم دیوبند میں اپنے اساتذۂ کرام کی زبانی اور خود حضرت بنوریؒ کی سوانح وتصانیف اور بالخصوص ''معارف السنن'' کے توسُّط سے اور بالآخر تفصیلی واقفیت کا موقع ''جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی'' کے ماحول میں ان سے براہِ راست فیض حاصل کرنے والے ان حضرات کے ذریعے جن میں سے بعض حضرات اب بھی بقیدِ حیات ہیں، نصیب ہوا ہے۔

حضرت بنوریؒ کے علمی مقام وذہانت، عربی ادب میں تفوُّق، تقویٰ وطہارت، للّٰہیت واخلاص، نفاست وصاف دلی، اعلیٰ انتظامی صلاحیّت، دینی حمیت وفتنوں کا تعاقب، دنیا سے بے رغبتی اور نام ونمود سے کنارہ کشی نے میرے دل میں ان کی ایسی محبت پیدا کر دی ہے کہ مجھے ان حضرات کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے جنہوں نے براہِ راست ان کی صحبت اُٹھائی ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ میرے دل میں حضرت علاّمہ بنوریؒ کو دیکھے بغیر جو محبت کے جذبات موجزن ہیں ان پر غور کرتے ہوئے مجھے عارف باللہ حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل شعر یاد آتا ہے:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ترجمہ ومفہوم: ''گہری محبت صرف دیدار ہی سے پیدا نہیں ہوتی، بسا اوقات محبوب کی

خوبیاں سن سن کر بھی یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔‘‘

حضرت بنوریؒ کی اسی غائبانہ محبت نے راقم کو اس مضمون کی تحریر کے لیے صرف آمادہ ہی نہیں، بلکہ مجبور کر دیا ہے، تاکہ ایک طرف تو اپنے قلبی جذبات کو اس امید کے ساتھ کچھ نہ کچھ اظہار کا موقع ملے کہ ان شاء اللہ! قیامت کے دن رب العزت مجھے بھی حضرت بنوریؒ کے محبّین میں شامل فرمادیں گے اور دوسری طرف قارئین کرام کو حضرت بنوریؒ کی زندگی اور عادات وخصائل کو یاد کرنے اور ان سے موجودہ بے چینی کے ماحول میں فیضیاب ہونے کا موقع میسر رہے۔

میرے ایک مخلص دوست کا خواب

شاید حضرت علاّمہ بنوریؒ سے غائبانہ اور مخلصانہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ احقر کو خواب کے اندر کئی دفعہ ان کی ایسی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ہے جس سے دل کو سکون اور روح کو اطمینان نصیب ہوا ہے۔ خواب اگرچہ شرعی حجّت تو نہیں، لیکن شریعت نے اچھے خوابوں کو مبشّرات کا درجہ ضرور دیا ہے۔ میں نے جتنے خواب حضرت والا قدّس سرُّہ کے متعلق دیکھے ہیں وہ سب میری ڈائریوں میں اپنی اپنی تاریخوں کے اعتبار سے محفوظ ہیں، تاہم احقر اپنے خوابوں کے بجائے اپنے مخلص دوست جناب مولانا محمد عاصم زکی صاحب زیدمجدہم استاذ ’’جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن‘‘ کے اس خواب کو جو انہوں نے حضرت بنوریؒ اور احقر سے متعلق بروز جمعہ بتاریخ ۱۷/ ۵/ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۳/ ۵/ ۲۰۰۸ء دیکھا ہے، اس وجہ سے ترجیح دیتا ہے کہ عارف باللہ مولانا جلال الدین رومیؒ کے ایک مندرجہ ذیل شعر کا مفہوم ہے کہ: ’’محبت کی داستان اپنی زباں کے بجائے اگر کسی اور کی زباں سے بیان کی جائے تو زیادہ اچھی لگتی ہے:

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

جناب مولانا محمد عاصم زکی صاحب زید لطفہم کا خواب میری ڈائری میں مذکورہ تاریخ کے مطابق اس طرح محفوظ ہے:

’’آج بروز جمعہ اشراق وغیرہ سے فارغ ہوکر آرام کیا تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ بنوری ٹاؤن مسجد کے صحن میں مشرق کی طرف سے داخل ہوکر آگے کی طرف تشریف لے جارہے ہیں، اور میں (مولانا محمد عاصم زکی صاحب) نے ان کو سہارا دیا ہوا ہے، وہ آگے جاکر مسجد کے اندر والے حصے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر خود ہی اکیلے سیدھے ہاتھ کی طرف چلے جاتے ہیں، پھر دیکھتا ہوں کہ وہاں پر تم (عبدالرؤف غزنوی) کو حضرت بنوریؒ نے اپنی گود میں چھوٹے بچے کی طرح لیا

ہوا ہے، تمہارا سر حضرتؒ کی بائیں ران کی طرف اور پاؤں سیدھی ران کی طرف نکلے ہوئے ہیں اور مجھے دیکھ کر تم خوش ہوکر ہنس رہے ہو۔‘‘

یہ خواب جب جناب مولانا محمد عاصم زکی صاحب زید لطفہم نے مجھ سے بیان فرمایا، تو میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی اور یہ اُمید قائم ہوگئی کہ حضرت بنوری قُدِّس سرُّہ کی روحانی توجہ کی سعادت ہم دونوں کو بلکہ ہر اس شخص کو حاصل ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی حاصل رہے گی جو اُن سے للہ فی اللہ محبت رکھتا ہو اور ’’جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن‘‘ میں اخلاص کے ساتھ ان کے اصولوں کے مطابق دین کی خدمت کر رہا ہو۔

وفات حسرت آیات

محدّث العصر حضرت علاّمہ سید محمد یوسف بنوریؒ اپنی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ: ’’میں اللہ پاک سے یہ دعا کرتا ہوں کہ جب تک میری حیات باقی ہو، کسی کا محتاج نہ بنوں اور میری زندگی اگر مقدر ہو تو چار چیزوں کے ساتھ، ۱: -صحت، ۲: -قوّت، ۳: -ہمّت، ۴: -توفیقِ مرضیات‘‘ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص بندے حضرت بنوریؒ کی مذکورہ دونوں تمنائیں پوری فرمائیں، چنانچہ آخر وقت تک کسی کے محتاج نہیں رہے اور آخر وقت تک بولتے رہے اور مرضیاتِ خداوندی کی توفیق انہیں ملتی رہی۔

آپ ’’اسلامی مشاورتی کونسل‘‘ کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے، جہاں ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں ان کو داخل کیا گیا، جہاں بروز پیر بتاریخ ۳/۱۱/۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷/۱۰/۱۹۷۷ء ہسپتال میں موجود افراد کے بقول فرمایا کہ: ’’ہمیں تو مہمان لینے کے لیے آگئے ہیں، اب دوائی بس کریں اور ہم تو چلے۔‘‘ اس کے بعد ذرا بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور قبلہ کی طرف منہ کرکے السلام علیکم کہتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے پیچھے اپنی نیک اولاد واقرباء، بے شمار شاگرد ومعتقدین، علمی وتحقیقی تصانیف اور ’’جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی‘‘ کی شکل میں ایک بڑا دینی ادارہ صدقۂ جاریہ کے طور پر چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے اقرباء، شاگردوں، محبین ومعتقدین اور ’’جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن‘‘ سے نسبت رکھنے والے تمام افراد کو ان کے اصولوں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین [انتہیٰ]

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

سماعِ موتیٰ !

ایک سوال کا جواب

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
اُستاذ ونگران شعبہ تخصص فقہِ اسلامی جامعہ

محترم جناب مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
کیا فرماتے ہیں (محدثین کرام)

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، یہاں تک کہ جانے والا اُٹھ کھڑا ہو جائے۔''

مفتی صاحب! اس روایت سے یہ دلیل لینا کہ ''ہر مردہ کے پاس جو مسلمان زیارت کے لیے آتا ہے وہ اسے دیکھتا بھی ہے اور اس سے مانوس بھی ہوتا ہے'' درست ہے؟

زید کہتا ہے کہ مردہ کے پاس جو بھی زیارت کے لیے آتا ہے، نہ ان کو یہ مردہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ان کا سلام سن سکتا ہے اور نہ ہی اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس بارے میں جتنی بھی روایتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سنداً درست نہیں۔

جمہور علماء کرام کے نزدیک تحقیقی بات کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں، نوازش ہوگی۔

مستفتی: حافظ دلاور کوہاٹی، (بقلم: محمد شیراز حقانی)

الجواب حامداً و مصلیاً

سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا باہمی اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سماعِ موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں، اس لیے دوسرے صحابہؓ وتابعینؒ بھی دو گروہ ہوئے ہیں، بعض اثبات کے قائل ہیں،

بعض نفی کے۔ اتنی بات تو صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں، لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتے ہیں، اس لیے سارے مالکی، شافعی، حنبلی اور احناف کی اکثریت اور اکابرینِ دیوبند کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے، سماعِ موتیٰ کی طرح مردے کا سلام کا جواب دینا، مانوس ہونا، اور قبر پر آنے والے کو پہچاننا بھی جمہور علماء کے ہاں ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''عن أنس رضي اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال : العبد إذا وضع قبرهٗ وتولّٰی وذهب أصحابه حتی إنهٗ لیسمع قرعَ نعالهم.'' (الصحیح للبخاری، ج:۱،ص:۱۷۸، ط: قدیمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إن المیت لیسمع حس النعال إذا ولوا عنه الناس مدبرین.''

(شرح السنۃ، کتاب الجنائز، ج:۵،ص:۴۱۳، ط: المکتب الاسلامی، بیروت)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''قال: ''وإنه لیسمع خفق نعالهم إذا ولوا مدبرین.''

(سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، ج:۲،ص:۶۵۴، ط: میر محمد)

دوسری روایت میں ہے:

''حدثني نافع أن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما أخبرهٗ قال: اطلع النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم علی أهل القلیب ، فقال: وجدتم ما وعد ربکم حقا ، فقیل له: تدعو أمواتا فقال:ما أنتم بأسمع منهم ولکن لا یجیبون.'' (الصحیح للبخاری، ج:۱،ص:۱۸۳، ط: قدیمی۔ کذا روی عن انسؓ فی سنن النسائی، ج:۱،ص:۲۹۲، ط: قدیمی۔ وعن ابن عباسؓ فی التفسیر الماثور، ج:۱۸،ص:۲۲، ط: دار الفکر۔ وعن موسیٰ ابن عقبۃ فی دلائل النبوۃ، ج:۳،ص:۱۱۷، ط: دار الکتب العلمیۃ)

''أحکام القرآن للجصاصؒ'' میں ہے:

''عن ابن عباسؓ ''ما من أحد یمر قبر أخیه کان یعرفه في الدنیا فیسلّم علیه إلا رد اللّٰہ علیه روحهٗ حتی یرد علیه السلام.'' (احکام القرآن للجصاصؒ، ج:۳،ص:۶۵، ط: ادارۃ القرآن)

''کتاب الروح'' میں ہے:

''عن عائشةؓ ''ما من رجل یزور قبر أخیه ویجلس عنده إلا استأنس به ورد علیه حتی یقوم.'' (کتاب الروح، ج:۱،ص:۵، ط: دار الکتب العلمیۃ)

''مرقاة المفاتیح'' میں ہے:

''إذ ثبت بالأحادیث أن المیت یعلم من یکفنه ومن یصلی علیه ومن یدفنه.''

(مرقاۃ المفاتیح، ج:۱،ص:۱۹۸، ط: امدادیہ)

''حاشیۂ طحطاوی'' میں ہے:

''**وقال ابن القيم: الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر حين جاء علم به المزور وسمع سلامه وأنس به ورد عليه، عام في حق الشهداء وغيرهم.**''

(حاشیۂ طحطاوی، کتاب الصلاۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ص: ۶۲۰، ط: قدیمی)

''**فيض الباري**'' میں ہے:

''**واعلم أن مسألة كلام الميت وسماعه واحدة ...أقول: والأحاديث في سمع الموات قد بلغت مبلغ التواتر ... فلا بد بالتزام السماع في الجملة .... فلذا قلت بالسماع في الجملة.**'' (فیض الباری، ج:۱، ص: ۴۶۷، ط: حجازی، قاہرہ)

''**فتح الملهم**'' میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''**والذي تحصلنا من النصوص والله أعلم أن سماع الموتٰى ثابت في الجمله بالأحاديث الكثيرةالصحيحة.**'' (فتح الملہم، ج:۲، ص: ۴۷۹، ط: ادارۃ القرآن)

''**أحكام القرآن للتهانوی**ؒ'' میں ہے:

''**والذي ذكره في الروح من طوائف أهل العلم وذكر ابن عبد البر أن الأكثرين علی ذلک يعنی سماعهم في الجملة هو الحق الحقيق بالقبول وإليه يرشد صيغة القرآن وشان النزول وبه تتوافق الروايات من الصحابةؓ والرسول وهو مختار مشايخنا.**'' (احکام القرآن للتھانویؒ، ج:۳، ص: ۱۶۵، ط: ادارۃ القرآن)

مفتی فریدؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''واضح رہے کہ اکابر سماع الموتٰی کے متعلق باہم اختلاف رکھتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ سماع الموتٰی راجح قول ہے۔'' (فتاویٰ فریدیہ، ج:۱، ص: ۴۳۸)

مفتی محمودؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''بعض علماء عدمِ سماع کو راجح قرار دیتے ہیں اور بعض سماع کو، ہمارے ہاں قولِ ثانی راجح ہے۔'' (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۱، ص: ۵۶۹، ط: جمعیت پبلشر) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد انعام الحق	ابوبکر سعید الرحمٰن	مدثر عباسی
الجواب صحیح	الجواب صحیح	متخصصِ فقہِ اسلامی
محمد شفیق عارف	رفیق احمد	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

اضافہ وتفصیل از قلم مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب

’’سماعِ موتٰی‘‘......قرنِ اول سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول ہو تو وہاں حق وہدایت کو کسی ایک جانب کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ہر دو جانب کے بارے میں حق وہدایت کا احتمال وگمان رکھنا دینی اقتضاء ہے۔ایسے مسائل کو زیادہ سے زیادہ راجح و مرجوح کا مسئلہ قرار دیا جاسکتا ہے اور جس کے ہاں جو رائے راجح قرار پائے وہ صاحبِ رائے اپنی رائے کی وجوہِ ترجیح بیان کرسکتا ہے اور اپنا رجحان بھی بتا سکتا ہے۔اگر کوئی صاحبِ رائے ایسے مسائل کے بارے میں اس حد سے آگے بڑھنا چاہے تو اُسے راہِ اعتدال سے متجاوز ومنحرف کہنے میں اصولِ شرع کے مطابق کوئی مانع نہیں ہوگا۔

سو ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک سماعِ موتٰی راجح ہے اور ان کے ہاں اس رجحان کی وجوہِ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں:

۱:- عدمِ سماع پر جن نصوص سے استدلال کیا جاتا ہے وہ استدلال واضح اور صریح نہیں ہے، بالخصوص قرآن کریم کی آیت ’’إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی‘‘ یا اس جیسی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے اور اس مضمون کی آیات کو عدمِ سماع کے اہم ترین اور مضبوط تر دلائل کے طور پر سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے، جبکہ ان آیات سے استدلال دو وجہوں سے مرجوح ہے:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایسی آیات میں ’’اِسماع‘‘ (سنانے) کی نفی ہے، ’’سماع‘‘ (سننے) کی نفی نہیں ہے۔دعویٰ عدمِ سماع کا اور دلیل عدمِ اِسماع کی، دونوں کے درمیان مطابقت نہیں۔

دوسری وجہ اس استدلال کے ناتمام ہونے کی یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی قرآن کریم کے مخاطبین کا عدمِ سماع ذکر فرمایا گیا ہے، وہ بالاتفاق عدمِ استفادہ وعدمِ قبول سے کنایہ و استعارہ ہے۔اس سے کسی نے عدمِ سماعِ عرفی مراد نہیں لیا، بلکہ اس نوع کے عدمِ سماع والے مخاطبین تو مادی کانوں کے مالک تھے، خوب سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھار ناگواری کے اظہار کے لیے اپنی انگلیاں بھی اپنے کانوں میں ڈال لیا کرتے تھے، اس کے باوجود ایسے مخاطبین سے سماع کی نفی کا مطلب دعوتِ الٰہیہ کو قبول کرنے کے بجائے رد کرنا، اعراض کرنا اور استفادہ نہ کرنا ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ’’إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی‘‘ میں زندہ مخاطبین کو مردوں کی مانند قرار دینا عدمِ استفادہ میں ہے، نہ کہ عدمِ سماع میں، کیونکہ عدمِ سماع کو اگر مشبہ بہ قرار دیا جائے تو پھر تشبیہ تام نہیں ہوسکتی، کیوں کہ منکرینِ سماع کے بقول مردہ تو سنتا ہی نہیں، جبکہ زندہ مخاطبین بحسن وخوبی سنتے ہیں، پھر وجہ تشبیہ سماعِ عرفی کی بجائے کچھ اور ہی ہوسکتی ہے، اور وہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ ہے کہ جس طرح مردوں کے حق میں

دعوت مفید نہیں، اسی طرح ان ڈھیٹ مزاج مخاطبین کے حق میں بھی دعوت مفید نہیں ہے۔ دعوت قبول کرنے کے لیے مُردوں کا اختیار ختم ہو چکا ہے اور آپ کے مخاطبین اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کررہے، عدمِ استفادہ دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔

۲:- قرآن کریم میں مُردوں کے عرفی سماع یا عدمِ سماع کا صراحت کے ساتھ کہیں بھی ذکر نہیں ہے، جہاں سے جتنا استدلال کیا جاتا ہے وہ استدلال مع الاحتمال سے زیادہ قوت واہمیت کا حامل نہیں ہے، اس لیے زیرِ بحث قضیے میں ذخیرۂ احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ذخیرۂ احادیث میں یہ امر مکمل وضاحت کے ساتھ ملتا ہے اور زیادہ تر بلکہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ بیان پایا جاتا ہے کہ عوام وخواص، تمام اموات فی الجملہ سنتے ہیں۔ قلیبِ بدر، قرعِ نعال اور احادیثِ سلام وغیرہا میں سماعِ موتٰی کا موقف پوری وضاحت، صراحت اور جِد کے ساتھ مذکور ہے۔ ایسی تمام روایات کے مضمون کا جائزہ لیتے ہوئے محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تواتر کے درجہ تک پہنچایا ہے اور اسی بنا پر اپنا اور اپنے مشائخ کا راجح مسلک سماعِ موتٰی کا نقل فرمایا ہے، چنانچہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’أقول: والأحاديثُ في سماع الأمواتِ قد بلغت مَبْلَغ التواتر. وفي حديثٍ صحَّحه أبو عمرو: أن أحدًا إذا سَلَّم على الميتِ فإنه يَرُدُّ عليه، ويعرِفُهُ إن كان يَعْرِفُهُ في الدُّنيا - بالمعنى- وأخرجه ابن كثير أيضًا وتردَّد فيه، فالإنكار في غير مَحَلِّهِ، ولا سيما إذا لم يُنقل عن أحدٍ من أئمتنا رحمهم اللّٰه تعالٰی، فلا بد من التزام السماع في الجملة، وأما الشيخ ابن الهمام رحمه اللّٰه تعالٰی فجعلَ الأَصْل هو النَّفي، وكلَّ مَوْضِع ثبت فيه السَّماعُ جَعَلَهُ مستثنًى ومقتصِرًا على المَوْرد.

قلت: إذن ما الفائدة في عُنوان النَّفي؟ وما الفَرق بين نفي السَّماع، ثُم الاستثناء في مواضِعَ كثيرةٍ، وادعاء التَّخصِيص، وبين إثبات السَّماع في الجملة مَعَ الإقرار بأنا لا ندري ضوابطَ أسماعِهم، فإنَّ الأحياءَ إذا لم يَسْمعُوا في بَعْض الصُّوَرِ فمن ادَّعى الطَّرْد في الأموات، ولذا قلتُ بالسماع في الجملة، بقي القرآنُ فأَمْرُه صَعْبٌ، قال تعالٰی: ’’إِنَّکَ لاَ تُسْمِعُ الْمَوْتٰی‘‘ (النمل:۸۰)، وقال: ’’ومَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِيْ الْقُبُوْرِ‘‘ (فاطر: ۲۲)، وهو بظاهرِهِ يدلُّ على النَّفْي مُطلقًا، فقيل بالفرق بين السَّماع والإِسماع، والمَنْفي هو الثاني دون الأول، والمطلوبُ هو الأوَّل دونَ الثاني، وأجاب عنه السّيوطي:

سَماعُ مَوْتى كلام الخلْقِ قَاطبةً
قد صَحَّ فيها لنا الآثارُ بالكُتُبِ
وآيةُ النفي معناها سَمَاعُ هدىً
لا يَسْمَعُون ولا يُصْغون للأَدَبِ

قلت : نَزَل الشيخُ رحمه اللّٰه تعالٰی فيها علی الغَرض. وحاصل الآية علی طَوْره: أنَّ هـؤلاء الكفارَ كالمَوْتی، فلا تَنْفع هدايتُک فيهم، لأن نَفْعها إنَّما كان في حياتِهم و قـد مَـضَـی وَقْتُها، كذٰلک، هؤلاء وإنْ كانوا أحياء إلَّا أنَّ هدايتَک غيرُ نافعة لهم، لـكـونِهـم مِثْلَ الأمواتِ في عدم الانتفاع، فليس الغرضُ منه نفيَ السماع بل نفي الانتِفـاع. قـلـت: عـدمُ السَّماع والسَّمْع والاستِماع كُلّها بمعنی عَدَم العمل، لأنَّ السَّـمْـع يـكونُ للعمل، فإذا لم يَعْمَل به فكأنَّه لم يَسْمَعْه، تَقولُ، قلتُ له مرارًا أن لا يترکَ الصلاةَ، لـكـنـهُ لا يَسْمَعُ كلامي، أي لا يعمل به، يُقال في الفارسية نشنود، يـعـنی عمل نمی كند، فلو قال الشيخ رحمه اللّٰه تعالٰی: إنَّ مَن في القبور لا يعملُون لدخل الكلامُ في اللغة، ولم يبق تأويلا، بل الأحسنُ أن يُقال: ''مانتے نہیں'' فإن قلت: إنَّ الأمواتَ إذا ثَبَت لهـم السَّـمـاعُ، فهـل لهـم الانتـفـاع به أيضًا أو مجردُ سماع الصوتِ فقط.'' (فیض الباری، باب قول المیت وھو علی الجنازۃ: قدمونی: ۳/۴۲، ط: علمیہ)

۳:- سماعِ موتٰی کے مسئلہ کا بہترین تجزیہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں پیش فرمایا ہے، اہلِ علم کے لیے وہ بھی مناسب رہنمائی ہے۔ حضرت کے فتویٰ کا حاصل یہ ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ میں تین اُمور کو جداگانہ انداز میں غور کیا جائے تو اہلِ علم علمی اُلجھن کا شکار نہیں ہوں گے اور اگر علماء بحث کرنا چاہیں تو انہیں منقح علمی بحث میں مدد بھی ملے گی۔ فرماتے ہیں کہ: یہاں

ایک امر ہے: ''استماعِ موتٰی'' دوسرا امر ہے: ''اِسماعِ موتٰی''

تیسرا امر ہے: ''سماعِ موتٰی''

(الف) ''استماعِ موتٰی'' کا مطلب ہے مردہ اپنے اختیار وارادہ سے جب چاہے جس کے بارے میں چاہے اس کا کلام سن سکتا ہے، اس کا شاید کوئی بھی قائل نہیں۔

(ب) ''اِسماعِ موتٰی'' کا مطلب ہے کہ سنانے والا جب چاہے، جو چاہے وہ ہر حال میں ہر مردے کو سنانے کی قدرت وطاقت رکھتا ہے، اس کا بھی بظاہر اس دنیا میں کوئی مسلمان قائل نہیں، بلکہ اسماع کی نفی، نصِ قرآنی کی عبارت ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی '' سے ثابت ہے، یہ نفی قرآن میں متعدد مقامات پر موجود ہے، اس خطاب کے مخاطب خود صاحبِ وحی تھے، جب نبی مرسل سے اسماع (سنانے) کی نفی ہے تو کسی اور کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے اختیار ومنشا کے تحت کسی مردے کو سنا سکے، یہ منصوصی ہدایت کے منافی ہے۔

(ج) رہا ''سماعِ موتٰی''، اس کے بارے میں قرآن کریم کا کوئی واضح صریح بیان نہیں ملتا، جن آیات سے بالعموم سماعِ موتٰی کی نفی پر استدلال کیا جاتا ہے وہ ایک تو اسماعِ موتٰی کے بیان پر مشتمل ہیں جن کا کوئی قائل ہی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ عالمِ برزخ کو عالمِ مشاہدہ پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (۱)

۴:- البتہ احادیث میں یہ بیان اپنے اختلافی نقطہائے نظر کے ساتھ موجود ہے، اس لیے سماعِ موتیٰ کے مسئلے کو احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، کہیں اور سے استدلال مفید یا مناسب نہیں ہے۔ اور احادیث میں ’’سماعِ موتیٰ‘‘ کو جتنا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے، سماعِ موتیٰ کی نفی اس درجہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ اس لیے احادیثِ مبارکہ کی رو سے سماعِ موتیٰ کا موقف زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

اس بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سماعِ موتیٰ کی نفی میں سب سے جلی موقف حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے، جن سے خود میت کو سلام کرتے وقت ردِ روح کی روایت بھی منقول ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روضۂ اطہر کے احاطے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد پردے کا اہتمام بھی فرماتی تھیں، جو کہ فی الجملہ ’’سماع‘‘ کے امکان بلکہ میت کی طرف سے رویت کے اثبات کی دلیل بھی ہے۔ (۲)

۵:- ہمارے مشائخ کے ہاں سماعِ موتیٰ کا مسئلہ جب راجح ومرجوح کا مسئلہ ہے تو ایسے مسائل میں ترجیحی وجوہ کو خارجی عوارض اور ماحولیاتی عوامل کے تناظر میں بھی جانچا جاسکتا ہے، فی زمانہ اگر دیکھا جائے تو اعتزالِ قدیم کی مختلف نئی شکلیں وجود پذیر ہیں، جن کے ہاں شرعی مسائل کے قبول یا رد کے لیے عقلی معیاروں کو آخری حکم قرار دیا گیا ہے۔ اس بابت نصوص جس پائے کی بھی ہوں، ان کا بیان کتنا ہی صریح کیوں نہ ہو اعتزالِ جدید (عقل پرست طبقہ) ایسی روایات کو بے معنی اور ان کے مطالب و مدلولات کو افسانہ قرار دیتا ہے اور یہ طبقہ‘ قبر کی حقیقت، اس کے احوال، جزا وسزا، قیامِ قیامت، دوزخ اور بہشت جیسے تمام حقائق کو حق ماننے کے لیے عقل کی کسوٹی قائم کیے ہوئے ہے، ایسے ماحول ومزاج میں ان روایات ونصوص اور آثار واقوال کو راجح قرار دینا زیادہ مناسب وموزوں ہے، جو قبر کی حقیقت، قبر کی زندگی، اس کی جزا وسزا کی واقعیت کو ثابت کررہی ہوں، اس لیے فی زمانہ ضرورت اس امر کی ہے کہ قبر کی زندگی اور اس کے متعلقہ حقائق کو عقل پرستوں کی عقلیاتی زور آزمائی سے بچانے کے لیے قبر کی زندگی اور اس کے لوازم ثابت کرنے والی روایتی رائے اور اس کی بنیاد بننے والی نصوص کو راجح قرار دیا جائے، یہ ترجیح مقتضائے شرع کے عین موافق ہے، چنانچہ قبر میں مردے کے سننے، سلام کا جواب دینے اور آنے جانے والوں کو پہچاننے کا موقف‘ قبر کی زندگی اور اس کے لوازم کو ثابت کرنے میں فی زمانہ بہترین ذریعہ ہے، بلکہ ذریعہ کے درجہ میں ناگزیر موقف بھی کہہ سکتے ہیں۔

۶:- سماعِ موتیٰ کی نفی پر ماضی قریب یا بعید میں جن اہلِ علم نے زور دیا ہے، ان کے بارے میں حسنِ ظن پر مبنی رائے قائم کی جائے تو وہ یہ ہے کہ ان اہلِ علم کا یہ مؤقف غلبۂ توحید کی وجہ سے شرکیہ

اوہام کے قطع کے تحت تھا، ظاہر ہے کہ توحید کے مقابلے میں شرک کا معاملہ انتہائی سنگین نوعیت کا ہے، قبر پرستی، مردوں کے بارے میں خدائی اختیارات وتصرفات کے اعتقاد کے تحت نداء و پکار کی سنگینی، کسی حد تک شدت کی متقاضی بھی ہوسکتی ہے۔

یہ شدت اگر نفیِ شرک کی حد تک رہتی تو اس کا حکم اور ہوتا، مگر یہ شدت سماعِ موتٰی کی رائے کی مرجوحیت سے نکل کر اس رائے کی بنیاد بننے والی روایات کی ہر طرح سے نفی اور اس رائے کے حاملین پر شرک وکفر کے فتوی تک جا پہنچی، جو شرعی مسئلے میں شرعی اقتضاء کی بجائے ایمانی خطرہ بن گئی، حالانکہ یہ شدت پسند اہلِ علم بھی جانتے ہیں کہ سماعِ موتٰی کے قائلین اہلِ علم میں سے از اول تا حال کوئی بھی اس بنیاد پر سماعِ موتٰی کا قائل نہیں ہے کہ وہ بت پرستانہ نظریہ کے تحت اہلِ قبور سے حاجت روائی کی استدعا کرتا ہو، بلکہ اس طبقے کے صوفیاء اہلِ علم زیادہ سے زیادہ استفاضہ کے قائل ہوتے ہیں، جبکہ استفاضہ تو مخصوص اہلِ قبور سے ہوتا ہے، عام اموات سے تو نہیں ہوتا، اگر ہماری شدت پسندی کے پیشِ نظر محض نفیِ شرک ہوتی تو پھر محض استفاضہ کی نفی پر زور دینا چاہیے تھا، سماعِ موتٰی کی ثابت شدہ روایات کے انکار یا نامناسب رد کی صورت میں تنازع کھڑا کرنا تو قطعاً مناسب نہیں تھا، اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ماضی میں ہمارے جو اہلِ علم توحید بیانی کی شہرت کے ساتھ دنیا سے گزرے ہیں وہ سب تقریباً صاحبِ نسبت صوفیاء تھے اور صوفیاء استفاضہ کا انکار کر ہی نہیں سکتے، ہاں! نوعیت اور تعبیر کا فرق ہوسکتا ہے۔

الغرض سماعِ موتٰی کی نفی فی زمانہ جن لوگوں کا مشغلہ ہے وہ محض ایک علمی رائے اور روایاتِ سلف کا مقتضاء ہونے سے زیادہ شدت پسندی اور کئی مسلمہ حقائق کی نفی یا پامالی پر منتج ہورہی ہے، مقابلے میں سماعِ موتٰی کی رائے بالخصوص علماء حق علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں کے ہاں کسی شرکیہ عقیدے یا مشرکانہ مقاصد کے لیے نہیں، بلکہ ان نصوص وروایات کے مقتضاء کے طور پر ہے جو قرنِ اول سے تا حال جمہور اہلِ علم کے نزدیک راجح اور قوی چلی آرہی ہے، اس لیے ہم سماعِ موتٰی کی رائے اور اس کے دلائل کو راجح سمجھتے ہیں۔

بایں ہمہ ہم اپنی رائے اور اس کے دلائل کی تمام تر ترجیحات پر یقین کامل ہونے کے باوجود اس موقف کو اپنا اول وآخر موضوع نہیں سمجھتے، اس پر دینِ اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کے قیام و بقاء کا عقیدہ نہیں رکھتے، اس لیے ہم خود بھی اور دوسری سمت کے انتہاء رساں احباب سے بھی یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت اُمتِ مسلمہ بالعموم اور مسلکِ حق مسلکِ دیوبند سے نسبت رکھنے والے علماء کرام بالخصوص سماعِ موتٰی کے مسئلہ سے بڑھ کر کئی سنگین مسائل کی زد میں ہیں، ہمیں قومی و بین الاقوامی سطح کے طوفانی مسائل کے سامنے متحد اور سینہ سپر ہونے کی ضرورت ہے، اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ عوام کے

درمیان فرائض اور ارکان کی بابت پائی جانے والی بیماریوں کے علاج کے درپے ہوں۔ ان کمزوریوں کی اصلاح کے لیے اپنی توانائیاں صرف فرمائیں اور موت پر یقین کامل رکھتے ہوئے موت کے بعد پوچھے جانے والے عقائد و اعمال کی فکر کریں اور اس فکر کو زندہ کروائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قبر وقیامت کی اچھی تیاری ہوسکی تو سماعِ موتٰی کا مسئلہ یہاں سے زیادہ قبر میں اچھے طریقے سے سمجھ آجائے گا، ان شاء اللہ!

اللّٰہم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد وعلی آلہٖ و أصحابہٖ أجمعین

حوالہ جات

ا:- فتاویٰ محمودیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک اسماع، دوم استماع، سوم سماع۔ اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ شریف میں مذکور ہے: ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ''اور''وما أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِيْ الْقُبُوْرِ '' یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مردوں کو نہیں سنا سکتے، تا بدیگراں چہ رسد۔ استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں۔ جب جسم سے روح جدا ہوجائے، تو یہ جسم کا کان نہیں سن سکتا، کیونکہ اصل ادراک کرنے والی چیز روح ہے اور قوتِ سامعہ اس کے لیے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کردیا، تو اس کے لیے یہ آلات کارآمد نہیں ہیں۔ جس طرح میت قوتِ باصرہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے کام نہیں لے سکتی، اسی طرح قوتِ سامعہ سے بھی کام نہیں لے سکتی، وھٰذا ظاھر لا یخفٰی۔ سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے میت کو ادراک کرادیں جس میں نہ صاحبِ صوت کو دخل ہو، نہ میت کو، تو یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لیے شواہدِ کثیرہ موجود ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر ساتھی لوٹتے ہیں تو: ''إنه لیسمع قرع نعالھم ''۔ اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحابِ نعال کے اِسماع اور میت تک آواز پہنچانے کا دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔ قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنا مسنون ہے، اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک اس معمولی آواز کا پہنچا دینا صاحبِ آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے، إلٰی غیر ذٰلک من الروایات۔ عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کرکے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، لأن قیاس الغائب علی الشاھد لا یجوز کما صرح به الرازي إمام المتکلمین في مواضع لا تحصٰی، جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے، وہاں استماع کی نفی ہے، نہ کہ سماع کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔'' (فتاویٰ محمودیہ:۱/ ۵۵-۵۵۳، ط: جامعہ فاروقیہ)

۲:- دونوں روایات ملاحظہ ہوں:

''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ، قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – : مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ أَخِيْهِ وَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ إِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ وَرَدَّ عَلَيْهِ ، حَتّٰى يَقُوْمَ. '' (کتاب القبور لابن ابی الدنیا القرشی، باب معرفۃ الموتٰی بزیارۃ الاحیاء، ص:۲۰۱، ط: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، المدینۃ النبویۃ۔ تفسیر ابن کثیر:۶/ ۳۲۵، دار طیبۃ للنشر والتوزیع۔ الروح - ابن قیم الجوزیۃ:۱/ ۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ مسند أحمد بن حنبل-:۶/ ۲۰۲، مؤسسۃ قرطبۃ - القاہرۃ)

=''عن عائشة رضؓ قالت : کنت أدخل بیتي الذي دفن فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم وأبي فأضع ثوبي، فأقول: إنما هو زوجي وأبي، فلما دفن عمر معهم فواللّٰه ما دخلت إلا وأنا مشدودة علی ثیابي حیاء من عمرؓ. ''(المستدرک علی الصحیحین للحاکم مع تعلیقات الذہبی فی التلخیص:۳/ ۶۳، دار الکتب العلمیۃ۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، محقق:۷/ ۳۳۵، دار الفکر بیروت)

.....❁.....❁.....❁....

زندگی کے ہر شعبہ میں سچ بولنے کی ضرورت

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، انڈیا

سچائی ایسی صفت ہے جس کی اہمیت ہر مذہب اور ہر دور میں یکساں طور پر تسلیم کی گئی ہے، اس کے بغیر انسانیت مکمل نہیں ہوتی، اسی لیے شریعتِ اسلامیہ میں اس کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے، اور بار بار سچ بولنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ محسنِ انسانیت، نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ سچ بولنے کی تعلیم دی اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کو نبی ورسول نہ ماننے والوں نے بھی آپ ﷺ کی سچائی اور امانت داری سے متاثر ہوکر آپ کو صادق اور امین جیسے القاب سے نوازا تھا۔ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی تسلیم کرتا تھا کہ محمد (ﷺ) کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:

''اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔'' (مریم:۴۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

''(اصل قصہ یہ ہے کہ) میں (حضرت زلیخا) نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) بے شک سچا ہے۔'' (یوسف:۵۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بھی پوری انسانیت کو متعدد مرتبہ سچ بولنے کی تعلیم دی ہے:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔'' (التوبۃ:۱۱۹)

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

''آج وہ دن ہے کہ سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔'' (المائدۃ:۱۱۹)

اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتے جو اسراف کرنے والے ہیں اور جھوٹے ہیں۔'' (المؤمن:۲۸)

چونکہ جھوٹ کے نتائج سخت مہلک اور خطرناک ہیں، اور جھوٹ بولنے والے کے ساتھ ساتھ

دوسرے بھی اس کے شر سے محفوظ نہیں رہتے، اسی لیے آپ ﷺ نے جھوٹ بولنے والوں کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''سچائی کو لازم پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی یکساں طور پر سچ کہتا ہے اور سچائی کی کوشش میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کی نظر میں اس کا نام سچوں میں لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچے رہو، اس لیے کہ جھوٹ گناہ اور فجور ہے اور فجور دوزخ کی راہ بتاتا ہے، اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے اور اسی کی جستجو میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا شمار جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

سچ بولنے کی کیسی عظیم اہمیت ہے کہ انسان اپنی سچائی کے ذریعہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے، جو ہر انسان کی پہلی اور آخری خواہش ہے، جبکہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے انسان کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا، اگر موت سے قبل حقیقی توبہ نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ دوزخ سے بچ جائے۔ قیامت تک آنے والے انس وجن کے نبی ﷺ نے جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کے لیے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کو بجالا کر سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''فروخت کرنے والے اور خریدار کو اختیار ہے جب تک وہ مجلس سے جدا نہ ہوں۔ اگر دونوں نے حقیقت کو نہ چھپایا اور سچ بولا تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ڈال دی جائے گی اور اگر حقیقت کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی برکت ختم کردی جائے گی۔'' (بخاری ومسلم)

اِن دنوں ہم نے تجارت کو خالص دنیاداری کا کام سمجھ لیا ہے، اس لیے ہمارا یہ ذہن بن گیا ہے کہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کے بغیر اب تجارت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اگر تجارت اللہ کے خوف کے ساتھ کی جائے اور کسی کو دھوکہ دینے کی غرض سے نہیں بلکہ سچائی اور امانت داری کو اپنا معمول بنا کر کی جائے اور ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے تو یہی تجارت عبادت بنے گی اور حلال تجارت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کو اپنے اور گھر والوں کے اوپر خرچ کرنے پر اجرِ عظیم ملے گا اور اس کی وجہ سے ہمیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی، ان شاء اللہ! جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو تاجر سچا اور امانت دار ہو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

لہٰذا ہمیں کاروبار میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

آخری حدیث میں بیان کیا گیا کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو مجلس سے جدا ہونے سے قبل اپنے فیصلہ سے رجوع کرنے یعنی خرید وفروخت کو منسوخ کرنے کا حق رہتا ہے، لیکن مجلس سے جدا ہونے

کے بعد خرید وفروخت مکمل ہوجاتی ہے، اب بیچنے والے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں اس چیز کو نہیں بیچنا چاہتا یا خریدار کہے کہ میں اس چیز کو خریدنا نہیں چاہتا۔ ہاں دونوں اپنی رضامندی سے اس ڈیل کو ختم کر سکتے ہیں۔ اگر بیچنے والا چیز کے قابلِ ذکر عیوب کو چھپا کر کوئی چیز فروخت کرے یا خریدنے والا دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو خرید وفروخت میں کیسے برکت ہوسکتی ہے؟! اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم خرید وفروخت میں بھی جھوٹ کا سہارا نہ لیں، بلکہ ہمیشہ سچ ہی بولیں۔ ہمارے اسلاف نے ہمیشہ سچ بول کر تجارت کی، اس لیے ہر میدان میں کامیاب ہوئے۔ شہر مکہ مکرمہ کی مشہور تاجرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے افضل بشر حضور اکرم ﷺ کی تجارت میں دیانت داری کو دیکھ کر ہی تو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی یہ باتیں یاد ہیں:

''جو بات شک میں مبتلا کرے، اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے۔
سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔'' (ترمذی)

یعنی جس کے حلال ہونے میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ اور ہمیں جھوٹ کا سہارا نہیں لینا چاہیے، صرف اور صرف سچ ہی بولنا چاہیے۔ ایک جھوٹ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے متعدد جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، لہٰذا ہم صرف سچ بات ہی کہیں۔

سچ بولنے کا بہترین بدلہ

سچ بولنے پر بہترین بدلہ ملنے کے متعدد واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ قرآن وحدیث میں مذکور ایک واقعہ پیش ہے:

۹ ہجری میں واقع ہونے والے غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل نہ ہونے والے تین حضرات: حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم ہیں، جب آپ ﷺ نے ان سے غیر حاضری کے متعلق سوال فرمایا تو انہوں نے جھوٹ سے گریز کرتے ہوئے تمام صورت حال سچ سچ عرض کردی، اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ عنایت فرمائی کہ ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اور آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اس عظیم نعمت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ''تمہیں اس دن کی خوشخبری جو کہ تمہاری والدہ کے جنم دینے کے دن سے لے کر آج تک کے تمام دنوں سے تمہارے لیے بہترین ہے، لیکن جن لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سورۃ التوبہ میں آیات نمبر: (۹۴-۹۶) نازل فرمائیں جو کہ پانچ دنیوی واخروی سزاؤں سے متعلق ہیں:

۱:- ان کے ساتھ قطع تعلق کا حکم: ''فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ''..... ''ان سے اعراض کرو۔''

۲:- ان پر ناپاک ہونے کا حکم: ''إِنَّهُمْ رِجْسٌ''..... ''بلاشبہ وہ ناپاک ہیں۔'' حافظ ابن

کثیرؒ فرماتے ہیں: یعنی ان کے باطن اور اعتقادات خبیث ہیں۔

۳:- ان کا ٹھکانا جہنم ہونا: ''وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ''..... ''ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' علامہ قرطبیؒ اس کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں: یعنی ان کی منزل اور جگہ (جہنم ہے)۔

۴:- اللہ تعالیٰ کا اُن سے راضی نہ ہونا: ''فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ''..... ''تو اگر تم ان سے راضی بھی ہوگئے تو یقیناً اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتے۔''

۵:- ان کو فاسق قرار دینا: علماء فرماتے ہیں کہ ضمیر کے بجائے فاسقین کا لفظ استعمال کیا گیا، تا کہ ان کے بارے میں یہ نشاندہی کی جاسکے کہ وہ اطاعتِ (الٰہیہ) سے نکل چکے ہیں اور یہی بات ان پر نازل ہونے والے عذابوں کا سبب بنی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی نوازشات کا تقابل جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی ناراضگی سے کرتے ہوئے بیان فرمایا:

''اللہ کی قسم! اللہ کی توفیق سے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد میری نظر میں آپ ﷺ کے روبرو اس سچ بولنے سے بڑھ کر مجھ پر کوئی احسان نہیں ہوا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا اور ایسے ہلاک نہیں ہوا جیسا کہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوگئے تھے، بذریعہ وحی اس قدر شدید وعید فرمائی کہ اتنی سخت کسی دوسرے کے لیے نہیں فرمائی گئی۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں سچ کا فائدہ ہے اور جھوٹ کے انجامِ نحوست کی وضاحت ہے۔ سچ بولنے پر تینوں حضرات کو اللہ کی جانب سے توبہ کی توفیق ملی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوئے، جبکہ دیگر منافقین نے جھوٹ کا سہارا لیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ اُن کے جھوٹے ہونے کے متعلق اطلاع فرمادی تھی، اس لیے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے، اگر ہم نے کبھی جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ سے پہلی فرصت میں معافی مانگیں، کیونکہ کبیرہ گناہ ہونے کی وجہ سے اس کے لیے مستقل توبہ ضروری ہے۔ بعض مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، مثلاً میاں بیوی میں شدید اختلاف ہوگیا ہے، اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے صلح ہوسکتی ہے تو بدرجہ مجبوری اس کی اجازت ہے، لیکن جھوٹ بولنے کی عادت بنانا یا کسی شخص کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے معاشرہ میں بڑے نقصانات ہیں۔ اے اللہ! ہمیں سچ بولنے کی توفیق عطا فرما اور اس کے ثمرات سے مالا مال فرما۔ جھوٹ اور اس کے زہریلے اثرات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں محفوظ فرما، آمین، ثم آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(تیسری قسط)

مولانا محمد طفیل کوہاٹی
مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ

معاشرتی اصلاح میں میراث کا کردار

انفاق کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا تیسرا طریقہ ''تقسیمِ میراث'' کا قانون ہے۔ اسلام کا نظامِ وراثت مالی طور پر معاشرے کے استحکام، تکافلِ باہمی اور معاشی انصاف میں ایک بنیادی امتیاز رکھتا ہے۔ وراثت کی مرتکز تقسیم سے جو معاشرتی فسادات جنم لیتے ہیں اور جو معاشی ناہمواری پیدا ہوتی ہے وہ اہلِ نظر پر واضح ہے۔ یورپ میں عام طور پر سب سے بڑے بیٹے کی جانشینی کا طریقہ رائج ہے جس میں سارا ترکہ بڑے بیٹے کو مل جاتا ہے اور باقی سب محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر اگر مرنے والا چاہے تو کسی دوسرے شخص کے نام اپنے سارے ترکے کی وصیت کرسکتا ہے، یوں اسے مذکر اولاد کو بھی محروم کرنے کا حق ہے، اس طریقہ سے دولت سمٹتی چلی جاتی ہے اور متعدد معاشی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

اسلام نے تقسیمِ وراثت کا ایسا نظام بنایا ہے کہ تمام معاشی خرابیوں کا انسداد ہو جاتا ہے اور مرد، عورت اور بچوں کو ان کی معاشی ذمہ داریوں کے بقدر بھرپور حصہ مل جاتا ہے۔ اگر اس کو سوسائٹی میں عام طور پر رواج دے دیا جائے اور اس اہم قرآنی حکم کا معاشرتی سطح پر احیا ہو تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ مزاج کی پذیرائی ہوگی اور نہ ہی افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ مستی کو فروغ ملے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے مال و دولت ہر وقت گردش میں رہتی اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم و بیش ہر فرد کو فائدہ بخشتی رہتی ہے۔ معاشی کفالت میں اسلامی میراث کی چند خصوصیات یہ ہیں، جو معاشرے کی مالی اصلاح اور لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے میں ممد و معاون بنتی ہیں۔

۱:- اسلام نے عورت کو بھی میراث میں شریک ٹھہرایا ہے۔

۲:- چھوٹی بڑی اولاد کے حصص میں کوئی فرق نہیں برتا۔
۳:- کسی وارث کے لیے اپنے حصۂ میراث کے علاوہ وصیتِ مال کی ممانعت کر دی ہے۔
۴:- مرنے والے کے لیے کسی وارث کو عاق کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔
۵:- اپنے ورثاء کے علاوہ ایک ثُلث ترکے کے بقدر معاشرے کے دیگر طبقات کے لیے بھی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے۔ (اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت: ۲۲)

معاشرے کی اصلاح میں نظامِ کفالت کا کردار

معاشرے کی اصلاح میں انفاق کے چوتھے طریقے کو ''نظامِ کفالت'' کہا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم کسی کے نان نفقہ، مالی حوائج اور ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ذمہ لینا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں پر حاجت مند طبقات کی کفالت لازمی وضروری قرار دی ہے۔ اس سلسلے میں ایک طائرانہ جائزے سے چار طبقات سامنے آتے ہیں جن کی کفالت کا حکم دیا گیا ہے۔

۱:- بعض افراد کے نان نفقہ، رہائش و پوشاک اور دیگر مالی حاجات کی کفالت شرعاً واجب ہے۔ اس دائرے میں آدمی کی بیوی، نابالغ بچے اور بوڑھے والدین شامل ہیں۔ آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور بوڑھے والدین کی بنیادی معاشی ضروریات یعنی خوراک، پوشاک، رہائش اور علاج اپنی مالی استطاعت اور حیثیت کے مطابق مناسب اور معروف طریقے سے مہیا کرتا رہے۔

۲:- دوسرے درجے کے مستحقینِ کفالت وہ لوگ ہیں جن کا استحقاق مذکورہ بالا افراد سے کم ہو۔ اس دائرے میں محتاج بہن بھائی یا ان کی محتاج اولاد، چچا، ماموں اور خالائیں وغیرہ داخل ہیں۔ بشرطِ استطاعتِ مالی ان کی نگہداشت بھی ایک ضروری فریضہ ہے۔

۳:- تیسرے درجہ میں وہ عام اعزہ داخل ہیں جنھیں ذی رحم محرم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ایسے رشتہ دار محتاج ہوں یا نابالغ ہوں یا مفلس ہوں یا اپاہج ومعذور ہوں یا طالب علم ہوں یا جہل و بیوقوفی وغیرہ اعذار کی وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہوں تو بشرطِ استطاعتِ مالی ان کی کفالت بھی شرعی ذمہ داری ہے، اگر مال دار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۴:- چوتھے درجہ میں عام اہلِ مذہب و اہلِ وطن داخل ہیں۔ اگر ان میں کوئی مالی کہتری کا شکار ہو جائے اور تہی دستی وقلاشی کے باعث اپنی مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو مال داروں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد کی معاشی کفالت کا بندوبست کریں۔

علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ''اسلام نے دولت مند رشتہ داروں پر نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے، اسلام نے اسے مستحب قرار نہیں دیا، بلکہ ایک ایسا حق کہا ہے

جس کے ادا کرنے کا حکم خود ذاتِ باری تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسلامی کفالت کے یہ احکام نہ قدیم شریعتوں میں کہیں ملتے ہیں اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس کا خیال پایا جاتا ہے۔ اسلام نے غریب وتنگ دست مسلمان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے امیر وخوش حال رشتہ داروں پر نان نفقے کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے، یہ وہ حق ہے جسے ہم اسلامی معاشرے میں ایک معمولی اور قدرتی بات سمجھتے ہیں، کیونکہ ہم نے اسے دین ہونے کی حیثیت سے جانا ہے، لیکن غیر مسلموں کے لیے یہ بات انتہائی حیرت انگیز اور باعثِ تعجب ہوسکتی ہے۔'' (مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام: ۲۳،۲۴)

کفالت کے ابواب کے ذیل میں اسلام نے مہمان کی کفالت کا حکم بھی بڑی تاکید سے ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ: ''جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کرے، ایک شب وروز کا انعام واکرام اور سہ روزہ ضیافت۔'' (ابوداؤد)

علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں: ''ضیافت شہری اور دیہاتی، تعلیم یافتہ اور جاہل ہر ایک پر فرض ہے، جس میں ایک روز خصوصیت کے ساتھ اور تحفہ کے ساتھ اور تین دن محض ضیافت اور اس سے زائد فرض نہیں۔'' (المحلیٰ لابن حزم، ج:۹،ص:۱۷۴)

اسلامی معاشرے میں معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے مسلمانوں نے اس فرض کو بڑی فراخ دلی سے ادا کیا۔ اسلام کا یہ حکم ہوٹلوں، آرام گاہوں، سفر کی تیز رفتاری اور اس کی جملہ سہولتوں اور رسل و رسائل کی دیگر آسانیوں کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے کہ یہ تمام سہولتیں اور تمدنی آسانیاں ابن السبیل کی وضع اور کیفیت کو کم کر دیتی ہیں، لیکن اگر آج بھی قرونِ اُولیٰ کی طرح اس حکم کا بھرپور احیاء اور معاشرتی رواج ہو تو اس سے معاشرے کی معاشی اصلاح پر دوررس اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

غرض باہمی کفالت کا اسلامی نظام کوئی ایسی شے نہیں کہ کسی وقتی ضرورت کے تحت کوئی امدادی کارروائی عمل میں آگئی، بلکہ یہ مستقل اور ہمہ گیر نظام ہے جس میں تمام افراد ایک دوسرے کی خبر گیری، تعاون اور افادیت کے ذمہ دار ہیں اور وجدان اور عمل ہر اعتبار سے اس فرض کے پورا کرنے کے پابند ہیں، اس رفاہیت کا تعلق جہاں معاشرے کی اجتماعی بھلائی، امن وسکون اور خوشی وراحت سے ہے، وہاں فرد کی ذاتی زندگی سے بھی ہے، کیونکہ اس کے بھائی کو جو بھی فوائد حاصل ہوں گے اور جن نقصانات کا اسے سامنا ہوگا، بالآخر یہ بھی ان سے متاثر ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مال داروں کے اموال پر فقراء کی کفالت کے بقدر لازم کیا ہے، اگر فقیر بھوکے ننگے اور زحمت میں ہوں اور اغنیاء ان کو نہ دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور قیامت کے دن ان سے حساب لے گا اور ان کو عذاب دے گا۔'' (کتاب الاموال لابی عبیدؒ: ۵۶۵)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ''ہر شہر کے اغنیاء پر اپنے شہر کے فقراء کی کفالت فرض ہے اور

حکومت انہیں مجبور کرسکتی ہے۔ اگر فقراء کو زکوٰۃ کافی نہ ہو تو اغنیاء پر لازم ہوگا کہ انہیں گرمی سردی کا لباس فراہم کریں، مناسب غذا دیں اور بارش، گرمی اور سردی سے تحفظ کے لیے ان کی رہائش کا ایسا بندوبست کریں کہ گزرنے والوں کی ان پر نگاہ نہ پڑے۔'' (اسلام اور دولت وثروت:۲۶۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فی کس ماہانہ غذا کی مقدار معلوم کی اور تیس آدمیوں کو بلاکر صبح وشام سیر ہوکر کھلایا، جن پر دو جریب غلہ صرف ہوا، اسی سے آپ نے اندازہ لگایا کہ ایک شخص ایک ماہ میں دو جریب غلہ کھاتا ہے، لہٰذا آپ نے ایک فرد کی کفالت کے لیے دو جریب غلہ مقرر فرمایا۔'' (کتاب الاموال:۲۴۷)

انسانیت کی پوری تاریخ میں کفالتِ باہمی کا ایسا نظام نہیں دیکھا گیا جو اسلام نے دیا، اسلام نے مال داروں کو یہ شعور بخشا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

''لَیْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ إِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَأْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَأْسِ أُوْلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَأُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ.'' (البقرۃ:۱۷۷)

ترجمہ: ''نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔''

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ: ''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ'' کا مقصود زکوٰۃ سے جدا ہے۔ وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔'' (تفسیر قرطبی، ج:۲،ص:۲۴۱)

فقہاء نے اس حق کی وضاحت کی ہے کہ جب اُمت پر کوئی ایسی ضرورت آجائے جو خزانۂ عام سے پوری نہ ہوسکتی ہو، مثلاً: جنگ، قحط سالی، وبا اور سیلاب وغیرہ تو اُمت کے مال داروں پر ایسے وقت میں عام رعایا اور مملکت کے مصالح کے لیے کفالت کا بوجھ پڑے گا۔ (تفسیر قرطبی، ج:۲،ص:۲۴۲)

اسلام کے ان سنہرے اصولوں سے اس دور میں بھی بھرپور رہنمائی ملتی ہے، جب خزانۂ عام

سے غرباء کی کفالت تو درکنار، انہیں ٹیکسوں کے بھاری بھرکم بوجھ تلے داب دیا گیا ہو اور وہ زندگی کی بنیادی اور لازمی ضرورتوں کے لیے ترس رہے ہوں تو اسلام کا نظامِ کفالت ہی خبر گیری اور دادرسی کا وہ بہترین منہاج ثابت ہوسکتا ہے جو معاشرے میں معاشی ناہمواریوں اور اس کے نتیجے میں برپا فساد و بگاڑ کا بخوبی ازالہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر اہلِ اسلام اس طریقے سے کام لیتے ہیں تو معاشرے میں غربت کے خاتمے، امن وسکون اور عدل ومساوات کی بالادستی کا سنہرا دور پھر سے دیکھا جاسکتا ہے۔

کفارات اور معاشرہ کی معاشی اصلاح

معاشرے میں معاشی اصلاح کے لیے انفاق کا پانچواں طریقہ ''کفارات'' ہیں۔ اسلام نے معاشرے کے کمزور افراد تک دولت کی رسائی کا یہ ایک مستقل ذریعہ مقرر کیا ہے، کوئی شخص بلاعذر رمضان کا روزہ توڑ دے، کسی مسلمان کو بغیر قصد کے قتل کردے، اپنی بیوی سے ظہار یا ایلا کرلے، قسم کھا کر اسے توڑ دے، حاجی ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرلے تو بعض صورتوں میں لازمی اور بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا مخصوص حصہ ناداروں پر خرچ کرے۔ یہ نقد روپیہ کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور کھانے اور کپڑے کی صورت میں بھی۔ کفارات کے نظام سے غرباء کو معاشی سہارے کا ایک مضبوط اور مسلسل ذریعہ بہم پہنچایا گیا ہے، جن سے مالی ضروریات کی تکمیل میں بھرپور مدد ملتی ہے۔

(جاری ہے)

حضرت مولانا شیخ احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ وفات

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم فاضل واستاذ، عظیم مبلغ، داعیِ اسلام، سابق ناظم دفتر وفاق المدارس مولانا انور شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی ، اور مرکز اکتشاف الاسلام بحرین کے مدیر، حضرت مولانا احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲ جون ۲۰۲۰ء بروز منگل بحرین میں راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، **إنا لـلّٰـه وإنا إليه راجعون ، إن للّٰه ما أخذ ولهٗ ما أعطٰی وکل شیء عندهٗ بأجل مسمّٰی.**

مولانا شیخ احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں استاذ رہے۔ جامعہ کے سابق ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ موصوف نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعد ازاں بحرین تشریف لے گئے اور مستقل وہیں سکونت اختیار کی۔ بحرین میں دیگر دینی ورفاہی کاموں کے علاوہ ''ڈیسکوری آف اسلام'' نامی ادارے میں ذمہ داروں میں سے تھے، یہ ادارہ غیر مسلم ورکرز میں اسلام کی دعوت کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ مولانا اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ سے متصف، بہترین اور فعال مبلغ تھے۔ سینکڑوں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ آپؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہونے والے صرف نیپالی ہندوؤں اور بدھوؤں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد نومسلموں کی ہر طرح سے ہمیشہ امداد ومعاونت فرماتے تھے، حتیٰ کہ نومسلم جب بحرین چھوڑ کر اپنے وطن جاتے تو ان کے اپنے ممالک میں جاکر بھی ان کی خبر گیری کرتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ موصوف کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔ جامعہ کی انتظامیہ، اساتذہ اور جملہ خدام مولانا کے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور قارئین سے ان کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتے ہیں۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

لاک ڈاؤن کے دوران دُکانوں کے کرایہ

ملازمین کی تنخواہوں اور گاڑی وغیرہ کی فیس کا حکم!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

موجودہ صورت حال میں جب کہ حکومت کے لاک ڈاؤن کے اعلان کی وجہ سے کاروباری مراکز بند ہیں، دفاتر اور دیگر کاروباری سرگرمیاں معطل ہیں، درج ذیل سوالات دریافت طلب ہیں:

۱:- جو دکانیں یا دفتر وغیرہ کرایہ پر دیے گئے ہیں، موجودہ حالات میں کیا ان کا کرایہ دینا واجب ہے؟ جب کہ کرایہ دار لاک ڈاؤن کے دوران ان کرایہ کی املاک سے فائدہ نہیں حاصل کر پارہا۔

۲:- جن اداروں، دکانوں، کارخانوں وغیرہ کے ملازمین یا گھریلو ملازمین حاضری سے اور اپنی خدمات فراہم کرنے سے قاصر ہیں، کیا یہ ملازمین اُجرت یا تنخواہ کے حق دار ہیں؟

۳:- اسکول کی وین چلانے والے جن بچوں کو اسکول لاتے لے جاتے رہے، ان سے لاک ڈاؤن کے دنوں کی فیس کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

مستفتی: محمد سعد، کراچی

الجواب حامدًا ومصلیًا

۱:-صورتِ مسئولہ میں کرایہ پر دی ہوئی دکانوں اور دفاتر کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ جگہیں کرایہ دار کے قبضے اور تحویل میں ہیں اور اس نے یہ جگہیں مالک کو واپس نہیں کیں تو مالک اس دکان، مکان اور دفتر کے کرایہ کا حق دار ہوگا اور کرایہ دار شریعت کے قانون کے مطابق کرایہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ (۱)

البتہ موجودہ حالات میں مسلمان جہاں بالعموم احسان وتبرع کررہے ہیں اور اپنے مسلمان

بھائیوں اور دیگر بے روزگار بھائیوں پر خرچ کررہے ہیں، وہاں اپنے ان کرایہ دار بھائیوں کے ساتھ بھی رعایت کا برتاؤ کریں، کرایہ معاف کردیں یا کرایہ میں کمی کردیں، تو یہ ان کا تبرع واحسان ہوگا، ان کے لیے اللہ کے ہاں اجر کا وعدہ ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جب بیچے تو نرم خوئی اختیار کرے، خریدے تو نرم خوئی اختیار کرے، قرض کا مطالبہ کرے تو نرم خوئی اختیار کرے اور قرض کی ادائیگی کرے تو نرم خوئی اختیار کرے۔'' (۲)

۲:- جن اداروں، کارخانوں اور دکانوں کے کارکن یا گھریلو ملازمین لاک ڈاؤن کے دورانیہ میں اپنی خدمات باقاعدہ طور پر انجام نہیں دے سکے، اس میں مالکان وملازمین کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے، یہ رکاوٹ ملکی حالات اور سرکاری احکامات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے شرعاً مالک اور ملازم اپنے طے شدہ اصولوں کے مطابق معاملہ کرنے کے پابند رہیں گے، اس لیے کہ یہ تمام افراد قانونِ شریعت کی اصطلاح میں ''اجیرِ خاص'' کہلاتے ہیں، جن کی طرف سے مفوضہ امور میں کوئی کوتاہی نہ ہو تو وہ اُجرت (تنخواہ) کے مستحق ٹھہرتے ہیں، البتہ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ جس طرح ملازمین کی تنخواہ کے مسائل ہیں، اسی طرح مالک کی آمدن کی پریشانیاں بھی ایک حقیقت ہے، اس لیے دونوں فریق باہمی مصالحت سے دوطرفہ رعایت پر مبنی صورت طے کرلیں، جس سے مزدور وملازم کا چولہا بھی جلتا رہے اور مالک پر بھی بوجھ نہ پڑے۔ (۳)

۳:- اگر اسکول کی وین چلانے والوں (ڈرائیوروں) کے ساتھ طلبہ کے سرپرست یا اسکول انتظامیہ کا تعطیلات کے متعلق یہ معاہدہ ہوا تھا کہ انہیں تعطیلات کی فیس/تنخواہ نہیں ملے گی تو لاک ڈاؤن کی تعطیلات میں وہ فیس/تنخواہ کے مستحق نہیں ہوں گے اور اگر جانبین میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ڈرائیوروں کو تعطیلات کی فیس/تنخواہ ملے گی تو انہیں لاک ڈاؤن کی تعطیلات کی تنخواہ بھی ملے گی۔

اور اگر تعطیلات کے متعلق ان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے طلبہ کے سرپرست یا اسکول انتظامیہ نے اسکول وین چلانے والوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ ختم کردیا تو وہ فیس/تنخواہ کے مستحق نہیں۔

لیکن اگر تعطیلات کے متعلق ان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے طلبہ کے سرپرست یا اسکول انتظامیہ نے اسکول وین چلانے والوں کے ساتھ کیا گیا معاہدہ ختم نہیں کیا تو وین چلانے والے اُجرت (وین فیس) کے مستحق ہوں گے۔

البتہ آج کل جن اسکولوں نے آن لائن تدریس شروع کردی ہے، یہ بظاہر اس بات کا قرینہ

ہے کہ ادارے اور وین ڈرائیور کے درمیان طے شدہ معاہدہ معطل ہو چکا ہے، اس لیے وہاں وین چلانے والے فیس/تنخواہ کے مستحق نہیں ہوں گے۔ (۴)

حوالہ جات

۱:- ’’المادة: ۴۷۰: تلزم الأجرة أيضا في الإجارة الصحيحة بالاقتدار على استيفاء المنفعة ..... ‘‘ (شرح المجلة لخالد الاتاسی، ج:۲، ص:۵۵۴، ط:رشیدیه، کوئٹه)

’’(و) اعلم أن (الأجر لايلزم بالعقد فلايجب تسليمه) به (بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة) المنجزة ..... (أو الاستيفاء) للمنفعة (أو تمكنه منه) إلا في ثلاث مذكورة في الأشياء. (قوله أو تمكنه منه) في الهداية: وإذا قبض المستاجر الدار فعليه الأجرة وإن لم يسكن. قال في النهاية: وهٰذه مقيدة بقيود: أحدهما التمكن، فإن منعه المالك أو الأجنبي أو سلم الدار مشغولة بمتاعه لاتجب الأجرة.‘‘ (رد المحتار ، ج:۶، ص:۱۱، ط:سعید)

۲:- ’’عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : رحم اللّٰه عبدا سمحًا إذا باع، سمحا إذا اشترى، سمحا إذا اقتضى، سمحا إذا قضى.‘‘ (صحيح ابن حبان، كتاب البيوع، ذكر ترحم اللّٰه جل و علا على المسامح،ج:۱،ص:۲۶۷، ط: مؤسسة الرسالة)

۳:- ’’والثاني: وهو الأجير الخاص ويسمى أجير واحد، وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة.‘‘ (الدر المختار مع الشامي، الإجارة، باب ضمان الأجير، مبحث الأجير الخاص،ج:۶،ص:۶۹، ط:سعید)

’’قال ط: وفيه أنه إذا استؤجر شهرا لرعي الغنم كان خاصا وإن لم يذكر التخصيص، فلعل المراد بالتخصيص أن لايذكر عموما سواء ذكر التخصيص أو أهمله، فإن الخاص يصير مشتركا بذكر التعميم كما يأتي في عبارة الدرر (قوله وإن لم يعمل) أي إذا تمكن من العمل، فلو سلم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كمطر ونحوه لا أجر له كما في المعراج عن الذخيرة. ’’الأجير الخاص هو من يعمل لمعين عملا مؤقتا، ويكون عقده لمدة ويستحق الأجير بتسليم نفسه في المدة: لان منافعه صارت مستحقة لمن استاجره في مدة العقد.‘‘ (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج:۱،ص:۲۸۸. ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، الإجارة ، ج:۳، ص:۵۲۸-۵۴۷، ط:دارالکتب العلمية ، بيروت)

’’وفيه أيضا: استأجر أجيرا شهرا ليعمل له كذا لايدخل يوم الجمعة للعرف...... الخ.‘‘ (ج:۶، ص:۷۱، ط: رشیدیه)

’’وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان لم أره وينبغي إلحاقهٗ ببطالة القاضي، واختلفوا فيها ، والأصح أنه يأخذ: لأنها للاستراحة ، أشباه من قاعدة العادة محكمة.‘‘ (رد المحتار ، ج:۶ ،ص:۷۲، ط: سعید)

۴:- ’’الإجارة تنقض بالأعذار عندنا وذٰلک علٰى وجوه إما أن يكون من قبل أحد العاقدين أو من قبل المعقود عليه وإذا تحقق العذر ذكر في بعض الروايات أن الإجارة لا تنقض وفي بعضها تنقض، ومشايخنا وفقوا، فقالوا: إن كانت الإجارة لغرض ولم يبق ذلک الغرض أو كان عذر يمنعه من الجري على موجب العقد شرعا تنتقض الإجارة من غير نقض كما لو استأجر إنسانا لقطع يدهٖ عند وقوع الأكلة أو لقطع السن عند الوجع فبرئت الأكلة وزال الوجع تنتقض الإجارة لأنه لا يمكنه الجري على موجب العقد شرعا ، وكل عذر لا يمنع المضي في موجب العقد شرعًا ولكن يلحقه نوع ضرر يحتاج فيه إلى الفسخ. كذا في الذخيرة، وإذا تحقق العذر ومست الحاجة إلى النقض هل يتفرد صاحب العذر بالنقض أو يحتاج إلى القضاء أو الرضاء اختلفت الروايات فيه ، والصحيح أن العذر إذا كان ظاهرا يتفرد، وإن كان مشتبها لا يتفرد، كذا في فتاوى قاضي خان.‘‘ (الفتاوى الهندية ، كتاب الإجارة، الباب التاسع عشر،ج:۴،ص:۴۵۸، ط: دار الفكر)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	رفیق احمد	محمد عمران ممتاز

دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

رب کے احسانات

حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی صاحب۔ صفحات: ۱۷۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: قاسم نانوتویؒ لائبریری، جامعہ دارالہدیٰ، جامن روڈ، بنوں۔

بنوں شہر سے تعلق رکھنے والے حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی صاحب معروف عالم دین اور سماجی شخصیت ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سالکین اور عوام الناس کے لیے وقتاً فوقتاً دعوتی اور اصلاحی بیانات کرتے رہتے ہیں، ان خطبات کو ان کے فرزند مولانا محمد عبداللہ حقانی نقشبندی صاحب شائع کرتے رہتے ہیں۔ زیرِتبصرہ کتاب ''رب کے احسانات'' اسی سلسلۂ مطبوعات کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تفصیلی تذکرہ اور اعمالِ حسنہ کی اہمیت وفضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں مذکور مواعظ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ شریعت اور طریقت کا لطیف فرق بھی اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کا نفع عام فرمائے اور مؤلف ومعاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ کتاب کی جلد بندی مضبوط، کاغذ اعلیٰ، تزئین وترتیب بہترین، ٹائٹل خوبصورت اور طباعت دورنگی ہے۔

مکاتب حفظ وناظرہ کے مسائل اور ان کا حل

قاری محمد شفیق سواتی ومولانا راشد الاسلام یوسف زئی۔ صفحات: ۳۳۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشران: مکتب تجوید القرآن ومکتب بیت القرآن، فیوچر کالونی، لانڈھی، کراچی نمبر: ۲۲

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے محافظ خود اللہ تعالیٰ ہیں، حفاظت کے انتظام میں اللہ تبارک وتعالیٰ جس انسان کو چاہیں منتخب فرمالیں۔ زیرنظر کتاب میں مکاتبِ قرآنیہ کے ذمہ داران، انتظامیہ، مہتممین، علمائے کرام اور قاری صاحبان سے متعلق تمام ضروری مسائل کا حل بتایا گیا ہے، ملک کے گیارہ دارالافتاؤں اور مفتیانِ کرام کے ۲۶۹ فتاویٰ کی روشنی میں ان کی تصدیقات کے ساتھ اس

مجموعہ کو مرتب و مدلل کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد کوشش ہے۔ اُمید ہے باذوق حضرات اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

اخلاق العلماء والحفاظ، اردو ترجمہ أخلاق العماء وحملة القرآن

ترجمہ: مولانا احسان الحق صاحب (راولپنڈی)۔صفحات: ۲۱۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ تعلیم وتربیت راولپنڈی۔ ملنے کا پتہ: جامع مسجد الحکیم اصغر، مال روڈ، راولپنڈی

زیر تبصرہ کتاب ''اخلاق العلماء والحفاظ'' امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری (متوفی: ۳۶۰ھ) کی عربی تصنیف ''أخلاق العماء وحملة القرآن'' کا اردو ترجمہ ہے، جس میں انہوں نے علمائے کرام اور حفاظ کے اخلاق کو ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے علماء کو علم کے ذریعہ صفتِ حلم و بردباری کے ساتھ مزین فرمایا ہے، انہی کی وجہ سے حرام وحلال کی پہچان ہوتی ہے، انہیں کے دم قدم سے مقامِ حق و باطل کا امتیاز، مضر اور مفید کی تمیز اور گندے وستھرے کا پتہ چلتا ہے۔ فضیلت ان کی عظیم، مقام ان کا بہت بڑا، انبیاء کے وارث اور اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب کو یہ کتاب حاصل ہوئی، آپ نے اردو دان طبقہ کی آسانی کے لیے مولانا احسان الحق صاحب کو اس کے اردو ترجمہ کے لیے مامور کیا، حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے تقریظ لکھ کر اس کتاب کی توثیق فرمادی۔

علماء کرام اور طلبۂ عظام کو ایک بار اس کتاب کا مطالعہ کرنا بہت مفید ہوگا۔ البتہ اس کتاب کے ترجمہ کا نام اُردو کے الفاظ میں ''علماء اور حفاظ کے اعلیٰ اخلاق'' یا اس جیسا کوئی اور نام رکھ لیتے تو اصل عربی اور اردو نام میں نمایاں فرق نظر آتا۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ اور طباعت دورنگی ہے۔

آسان گھریلو ٹوٹکوں کا انسائیکلوپیڈیا

مولانا مفتی شکیل احمد نقشبندی۔ صفحات: ۳۵۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ عشرہ مبشرہؓ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

مؤلفِ کتاب مولانا مفتی شکیل احمد نقشبندی جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل اور جامع مسجد مولانا عبدالحق ظفروال کے خطیب ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں ایک ہزار سے زائد مفید، آسان اور قیمتی گھریلو ٹوٹکوں کا بہترین مجموعہ تیار کیا ہے، جو ہر گھر کی ضرورت ہے۔

اسلام میں حقوق العباد اور بندگی کے تقاضے

سید نذیر احمد بخاری صاحب۔ صفحات: ۴۶۱۔ قیمت: ۶۹۰ روپے۔ ناشر: سید نذیر احمد بخاری

کتاب کے مؤلف کا تعلق ذرائع ابلاغ سے رہا ہے اور بیرون ممالک میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے بھی ان کا واسطہ رہا ہے اور ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، تو جس طرح وہ حقوق پامال کرتے ہیں اس سے انسان اور جانور میں فرق نہیں رہ جاتا۔ ان کو مسلمانوں سے بھی بجا طور پر شکایت ہے کہ مسلمان بھی اسلام کے فلسفۂ اخلاق سے ناواقفیت کی بنا پر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں کرتے ہیں، صرف کوتاہیاں ہی نہیں، بلکہ آج کل اس کو اپنے لیے عزت اور شرافت کی بات سمجھا جاتا ہے، جو کہ دینِ اسلام کے سراسر خلاف ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ''.... یعنی ''میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔'' خود قرآن کریم نے شہادت دی کہ: ''وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' آپ ﷺ نے ایک فرد نہیں، بلکہ مخلوقات میں سے ہر ہر مخلوق کے حقوق بیان فرمائے ہیں اور اسلام جس طرح حقوق کی حفاظت کی بات کرتا ہے، کوئی اور مذہب اس طرح کی بات نہیں کرتا۔

بہرحال مؤلف نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی ہے، اور حقوق العباد اور اخلاقِ حسنہ سے متعلق کافی مواد جمع کیا ہے۔ مسلمانوں بلکہ ہر مذہب کے انسان کو چاہیے کہ اس کتاب کو پڑھے اور اپنے اندر جو عملی کوتاہی فروگزاشت ہے، اس کی اصلاح کرے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....